کی گئی ہے، اس کا مطالعہ نوجوانون کے لئے خاص طور پر مفید ہوگا،

بہشت:- از جناب بنی پرشاد سنگھ صاحب بھٹناگر حجم ۱۹۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ناشر مول چند اینڈ برادرس، چوک فیض آباد،

اس رسالہ مین مصنف نے اپنے نقطۂ نظر سے انسانون کو نیکی کی زندگی اختیار کرنے اور برائیون سے بچنے کی تلقین کی ہے، اور دکھایا ہے کہ انسانی زندگی کی راحت سچی محبت اور پاکیزہ زندگی ہی مین ہے، جناب نصیر الدین احمد ریٹائرڈ اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے اس کا دیباچہ لکھا ہے، یہ رسالہ غالباً بلا قیمت مل سکتا ہے۔

خونی ترانے مرتبہ جناب عبدالوہاب صاحب غازی اصلاحی، حجم ۲۳ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۲؍ پتہ:- اردو اشاعت گھر، نمبر ۳۲، فیرس لین (چونا گلی) کلکتہ،

ان دنون ملک مین جو فرقہ وارانہ فسادات جاری ہین، ان مختلف واقعات پر وقتاً فوقتاً مختلف شعراء اور خود مرتب نے اپنے جو تاثرات نظمون مین قلمبند کئے، وہ نظمین اس مجموعہ مین یکجا کی گئی ہین جو مختلف عنوان خانہ جنگی، کلکتہ کا فساد، کربلائے بہار، ہٹری لاشین، شہیدان بہار، بنی آباد، مظفر پور، "۱۶ اگست ۱۹۴۶ء" نوجوانان بہار سے خطاب وغیرہ عنوانون سے ہین،

تاجدار رقاصہ، ترجمہ جناب فصیح الدین احمد صاحب ام اے حجم ۱۷۰ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲؍ نیا گھر، اردو بازار دہلی،

یہ ایک فرانسیسی ناول کا آزاد ترجمہ ہے، اس مین ایک رقاصہ کی سرگذشت بیان کی گئی ہے جس مین اس کی زندگی کی مختلف منزلین دکھائی گئی ہین، وہ اسی سلسلہ مین ایک غریب نوجوان کی شریک زندگی بنی، پھر اپنی قسمت سے بیزنطی تخت کی تاجدار بن گئی، اور بیزنطی محل مین اس کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات پیش آئے، ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہے،

"س"

جلد ۵۹　ماہ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۷ء　عدد ۶

شذرات

جون کا مہینہ ہندوستان کی تاریخ مین یادگار رہے گا، کہ برسون کی کشمکش کے بعد یہان کی سیاسی جماعتون کے رہنماؤن نے ایک بات پر خوشی یا ناخوشی سے اپنے اتفاق کا اعلان کیا، توقع ہے کہ ملک مین خونریزیون، اور سفاکیون کا جو سلسلہ قائم تھا، وہ اس نئی سیاسی کروٹ سے تھم جائے گا، خدا کرے کہ ملک کو حقیقی امن و امان نصیب ہو، اور یہ ملک جو کبھی جنت نشان تھا، اپنے گوشہ گوشہ مین ترقی کی معراج کو پہنچے، اور سب قومون، ملتون اور جماعتون کو یکسان فراغ بالی نصیب ہو،

آج کل مسلمانون مین جو ذہنی انقلاب برپا ہے، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہین، یہ حقیقت اب روزِ روشن کی طرح مسلمانون پر عیان ہوتی جاتی ہو کہ اسلام صرف چند عقیدون کا نام نہین، وہ انسانی حیات کی تمام تر تفسیر ہو، وہی انسانی زندگی کا وہ آخری نظام ہے جس سے نظامِ عالم کی اصلاح کی امید قائم کی جا سکتی ہو، لیکن بہرحال ان حقائق کے ساتھ اس سے بھی چشم پوشی نہین کیجا سکتی، کہ اس وقت دنیا کے گوشہ گوشہ مین غیر اللہ کی حکومتین قائم ہین، اور اسی قسم کی حکومتون کے خاکے اس وقت ہندوستان مین بھی تیار کئے جا رہے ہین، یا جلد ہی تیار کئے جائین گے، اگر ہم تخیل اور تصور ہی کی دنیا مین رہین، تو پھر ہماری وقتی اور اضطراری ضرورتون کو پورا کرنے کی ممکن عملی صورت کیا ہو سکتی ہو، مستقبل کے کسی خوش آیند تصور پر وقتی ضرورتون سے نگاہ نہین ہٹائی جا سکتی، جس طرح ہم اپنے پختہ عقائد اور حقیقی تصورات کے باوجود حکومتِ وقت کے قوانین کا بھی خاموشی سے اتباع کرتے ہین، اور اضطراراً تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہین، اسی طرح اگر ہم اپنی اجتماعی ضرورتون کے لئے بھی اضطراری حالات سے مجبور ہو کر کچھ

کر لینا چاہین، تو یہ کیون نہ دانشمندی کی بات سمجھی جائے،

خوشی کی بات ہو کہ معارف مین محکمۂ قضا کے قیام کی تحریک کی جو تجدید کی گئی ہو، وہ ملک کے ممتاز مسلمان اربابِ سیاست کی نگاہ مین ہے، ملک کے مختلف حلقون کے بعض ذمہ دار اکابر سے گفتگو کا موقع آیا، وہ وقت کے منتظر ہین، توقع ہو کہ جب اسلامی اکثریت و اقلیت کے صوبون کی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلیون کے روبرو تفصیلی مسائل آئین گے تو اس بحث کو بھی ہاتھ لگایا جائے گا، اور اس کو تشفی بخش طریق سے کسی مناسب روپ لا کر طے کیا جائے گا، خدا کرے کہ سیاسی افکار و مشاغل کے ہجوم مین ملت کی یہ اہم ضرورت فراموش نہ ہونے پائے،

بہرحال مسلمان جس تیزی سے اپنے دینی تصورات کی طرف بڑھ رہے ہین، اس کے اثرات صرف اسلامی ہند تک محدود نہین، دوسرے اسلامی ملکون مین بھی اس کے خوشگوار نتائج سامنے آ رہے ہین، اور وہان یورپ کی تقلیدِ عام کے پرانے تخیل کی جگہ اسلامی تصورات کی طرف میلان بڑھ رہا ہو، چنانچہ نوجوان ترک جو کبھی سرمستی و سرشاری کے ساتھ یورپ کی تقلیدِ عام کی طرف والہانہ انداز مین بڑھے تھے، اب شاید اسی تیزی سے واپس آنے کی تیاریان کر رہے ہین، ان دنون حکومت ترکی کی مجلس وزراء مین وزیر تعلیم کا ایک نیا مسودہ قانون زیرِ غور ہو، توقع ہے کہ وہ گرمی کی تعطیلات سے پہلے مجلس کبیر ملی کے سامنے بھی آ جائے، اس نئے مسودہ قانون کے مطابق ترکی کے ابتدائی مدارس مین دینی تعلیم شروع کی جائے گی، اور ایسے مخصوص مدارس کھولے جائین گے، جن مین اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا، اس سلسلہ مین دینیات کے لئے ایک مستقل کالج کے قیام کی تجویز بھی زیرِ غور ہے، ترکون کی یہ "رجعت پسندی" ہمین دل سے محبوب ہے، ہم دلی مسرت سے اس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہین، دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ انھین حسنِ نیت کے ساتھ راہِ صواب پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے،

مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری مرحوم اپنی زندگی بھر علی گڑھ کی تعلیمی تحریک اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیوں سے وابستہ رہے، خوشی کی بات ہے کہ اسی حلقہ سے مرحوم کے خدمات کے اعتراف کے لئے ایک یادگار قائم کرنے کی اپیل شائع ہوئی ہے، جس پر دستخط کرنے والوں میں ملک کے دوسرے چالیس ممتاز عمائد کے ساتھ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی ظلہ نے سرفہرست اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں، اتفاق سے مسلم یونیورسٹی کے انجینیرنگ کالج کے طلبہ کے لئے دارالاقامہ کی کوئی عمارت موجود نہیں ہے، اس تحریک کے بانیوں کا خیال ہے کہ مرحوم کی یادگار میں شعبہ انجینیری کے طلبہ کے لئے دو لاکھ کے سرمایہ سے دارالاقامہ تعمیر کیا جائے، اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے انجینیرنگ کالج اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ کو قرض حسنہ کی شکل میں وظائف دیئے جائیں، اُمید ہے کہ ملک کے ارباب کرم اس تحریک کو لبیک کہیں گے، کہ اس کے ذریعہ ایک طرف ایک مخلص کارکن کے دیرینہ خدمات کی یاد تازہ ہو، اور دوسری طرف ملک کے سب سے بڑے مسلم تعلیمی ادارہ کی ایک ضرورت پوری ہو، اور ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی سہولت کا سامان بہم پہنچے، چندہ کی رقمیں سکریٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اولڈ بوائز لاج مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ کے پتہ سے ارسال کی جائیں،

دارالمصنفین میں تاریخ اسلام و تاریخ ہند کی تدوین کے جو سلسلے جاری ہیں، ان میں سے مشرقی حکومتوں کی تاریخ میں سے تاریخ بنو عباس کے سلسلہ کی آخری جلد جو عباسی دور کے علمی کارناموں کا مرقع ہے، زیر ترتیب ہے، اور مغربی حکومتوں کے سلسلہ میں اندلس کی تاریخ کی تین جلدیں تیار ہو چکی ہیں اور آخری جلد جو یہاں کے ملوک طوائف پر مشتمل ہے ان دنوں زیر ترتیب ہے، امید ہے کہ یہ بھی اس سال پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، دوسری طرف تاریخ ہند کے سلسلہ کی پہلی جلد جو تاریخ سندھ پر مشتمل ہے ان دنوں زیر طبع ہے، ڈھائی سو صفحے اب تک چھپ چکے ہیں، امید ہے کہ تاریخ سندھ کی اشاعت سے ہندوستان کی تاریخ کے ایسے معلومات سامنے آئیں جو اب تک عام مورخین کی نگاہوں سے بھی اوجھل رہے ہیں،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۳)

"تخلیق مقاصد، اثباتِ خودی کا یہ ساتواں مقدمہ ہے، جو لوگ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں ان کے نزدیک دنیوی جھگڑوں سے نجات کی صورت صرف یہ ہے، کہ خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کر دیا جائے، شوپنہار کے فلسفہ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ دنیا ایک "خراب آباد" یا زندوں کی دوزخ ہے، ہر طرف ایک ہلچل مچی ہوئی ہے، ہر چیز اپنی اپنی غرض پوری کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پھینک رہی ہے، انسان بھی اپنی نفسانیت کا غلام ہے، اس کے اندر بھی طرح طرح کی اندھی خواہشیں ہنگامہ برپا کئے ہوئے ہیں، زندگی کی بنیاد خود غرضی اور نفسانیت پر ہے، اور پھر ستم ظریفی یہ ہے کہ باوجود اس دوڑ دھوپ کے باوجود اس جد و جہد کے ہم اپنی خواہشوں میں آخر کار ناکام رہتے ہیں، اس لئے ہمارے اندر زندگی کی جو خواہش ہے، اس کو مٹا دینا چاہیے"[۱]

بودھ کی تعلیم کا اصل الاصول بھی یہی ہے، کہ انسان ہر خواہش سے پاک ہو جائے، اور ہمارے صوفیہ

---

[۱] ماخوذ از شوپنہار مصنفہ مجنوں گورکھپوری،

کی یہ تعلیم بھی یہی ہے کہ

از کارِ جہان تمام انکار خوش است — این کار اگر کنی تو بسیار خوش است

خود را بہ کنار گیر و بگذر زہمہ — در عالمِ تدبیر ہمین کار خوش است

اس بنا پر وہ دلِ بے مدعا کو خدا کی بڑی نعمت سمجھتے ہین، اور ڈاکٹر صاحب اپنی ایک ابتدائی غزل مین اس سے بھی زیادہ بلند پروازی کرتے ہین، اور دلِ بے مدعا کے حاصل کرنے کی خواہش سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہین :-

ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا

مرغِ دل دامِ تمنا سے رہا کیونکر ہوا

اور اس مین کوئی شبہہ نہین کہ اگر خواہشاتِ نفسانی فنا ہو جائین، تو زندگی بڑی پرسکون اور پرکیف ہو جاتی ہے، اسی بنا پر ایک شاعر کہتا ہے،

ترکِ لذت بھی نہین لذت سے کم

کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہیئے

خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت زود فنا اور آنی ہوتی ہے، لیکن ترکِ خواہش یا ترکِ لذت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت دیرپا بلکہ لازوال ہوتی ہے، انسان کو دنیا کی تکلیفون اور مصیبتون کا احساس نہین ہوتا، خیر و شر اور رنج و الم کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، اور زہر بھی تریاق کا مزہ دینے لگتا ہے، تسلیم و رضا کا مسئلہ اسی ترکِ خواہش سے پیدا ہوتا ہے، یا تسلیم و رضا سے خواہشین اور آرزوئین رضاے الٰہی مین فنا ہو جاتی ہین، اس بنا پر جس شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہو گویا دنیا کا تمام کاروبار اس کے اشارون پر چلنے لگتا ہے،

سیل و جوہا بر مرادِ او روند — اختران زان سان کہ او خواہد شوند

بے مرادِ او نہ جنبد ہیچ رگ — در جہان زاوجِ ثریا تا سمک

اور ڈاکٹر صاحب بھی شخصی طور پر اس پرکیف زندگی سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہین،

این دل کہ مرا دادی لبریزِ یقین بادا — این جامِ جہان بینم روشن تر ازین بادا

تلخے کہ فرو ریزد گردون بسفالِ من — در کامِ کہن رندے آنم شکرین بادا

اسلام نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنی تعلیمات مین سلب و ایجاب کے دونون پہلوؤن کو جمع کر دیا ہے، اور اس مسئلہ مین بھی اس کی تعلیم کی یہ خصوصیت موجود ہے، خواہشون کی ایک قسم ایسی ہے جس سے شخصی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اس سے دنیا کی تعمیر نہین ہوتی، بلکہ تخریب ہوتی ہے، اسی قسم کی خواہشون کا نام "ہویٰ" ہے، اور ہوا و ہوس کی ترکیب اسی لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اور اسلام نے اسی قسم کی بُری خواہشون کے زائل کرنے کی تعلیم دی ہے،

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰيهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ، — اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے، جس نے خدا کی رہنمائی کے بغیر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی،

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوٰهُ — اے پیغمبر! کیا تو نے اس کو بھی دیکھا؟ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے،

لیکن ان کے علاوہ بہت سی پاکیزہ، مفید اور بلند خواہشین بھی ہین جن سے تہذیبِ نفس ہوتا ہے، نظامِ عالم قائم رہتا ہے، اور ان کے ذریعہ سے خودی کو اپنی نشو و نما کے لئے ایک وسیع فضا مل جاتی ہے، اس لئے اسلام نے ان خواہشون کے پیدا کرنے اور ان کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے، حدیث مین ہے،

اِنَّ اللهَ يُحِبُّ مَعَالِىَ الْاُمُوْرِ — بیشک خدا بلند کامون کو پسند اور حقیر

یبغض سفسا فہا کاموں کو ناپسند کرتا ہے،

یہی خواہشین ہین جن سے انسان کی خودی کو نشو و نما ہوتی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے ان کے پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے،

زندگانی را بقا از مدعاست — کاروانش را درا از مدعاست

زندگی در جستجو پوشیدہ است — اصلِ او در آرزو پوشیدہ است

آرزو ہنگامہ آرای خودی — موج بے تابے ز دریاے خودی

آرزو صید مقاصد را کمند — دفترِ افعال را شیرازہ بند

زندہ را نفیِ تمنا مردہ کرد — شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد

نے گرفت از نیستان آئینِ خویش — نغمہ زد از لذتِ تعیینِ خویش

اے ز راز زندگی بیگانہ خیز — از شرابِ مقصدے مستانہ خیز

مقصدے مثلِ سحر تابندۂ — ما سوی را آتشِ سوزندۂ

مقصدے از آسمان بالاترے — دلربائے دلستانے دلبرے

باطلِ دیرینہ را غارتگرے — فتنہ در جیبے سراپا محشرے

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم — از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

آرزو را در دلِ خود زندہ دار — تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار

یہ صبح کی طرح روشن اور آسمان سے زیادہ بلند مقاصد حقیر خواہشوں کو فنا کرکے انسان کو مستغنی اور بے نیاز کر دیتے ہین، اس لئے وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہین کرتا،

اے فراہم کردہ از شیران خراج — گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج

از سوال افلاس گردد خوار تر — از گدائی گدیہ گر نادار تر

از سوال آشفتہ اجزاے خودی — بے تجلی نخلِ سیناے خودی

اے خنک آن تشنہ کاندر آفتاب — مے نخواہد از خضر یک جام آب

چون حباب از غیرتِ مردانہ باش — ہم بہ بحر اندر نگون پیمانہ باش

لیکن صرف سوال ہی کی تخصیص نہین، بلکہ ہر بداخلاقی سے خودی ضعیف ہوتی ہے، البتہ ڈاکٹر صاحب نے صرف سوال کی تخصیص اس لئے کی ہے، کہ

(۱) وہ اپنی تعلیمات کی تائید جہان تک ممکن ہوتا ہے، اسلامی تعلیمات و روایات سے کرتے ہین، اور حدیثون مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے جن شرائط پر بیعت لی تھی ان مین ایک شرط یہ تھی،

لا تسئلوا الناس شیئًا — لوگون سے کسی چیز کا سوال نہ کرو،

اور ان بزرگون نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ اگر راہ مین کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے یہ نہین کہتے تھے کہ اٹھا کر دیدو، اسی روایت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اس شعر مین اشارہ کیا ہے،

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ

الحذر از منتِ غیر الحذر

(۲) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سرکاری ملازمت سے خودی ضعیف ہوتی ہے، اور ملازمت حاصل کرنے کے لئے سرکاری دفترون مین جو دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے، وہ ظاہر ہے، اس لئے وہ اس سے روکتے ہین،

تا کجے دریوزۂ منصب کنی

صورتِ طفلان زنے مرکب کنی

(۳) وہ کسبِ معاش کے دوسرے طریقون کی ترغیب دیتے ہین،

مشت خاکِ خویش را از ہم مپاش　　　مثل مہ رزق خود از پہلو تراش

آنکہ خاشاک بتان از کعبہ رفت　　　مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

(۸) **صحرائیت و بدویت** - اثباتِ خودی کا یہ آٹھواں مقدمہ ہے، لیکن اس سے وحشیانہ زندگی مقصود نہیں، بلکہ تمدن و تہذیب کے مضر اثرات سے محفوظ رہ کر خودی کی تربیت مقصود ہے،

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردک میدانی
کہسار کی خلوت ہے تعلیم خود آگاہی

یورپ میں روسو بھی تہذیب و تمدن کا سخت مخالف تھا، اور اس کے نزدیک انسان کی ابتدائی فطری حالت ہی بہتر تھی، ڈاکٹر صاحب بھی بعض معاملات میں اس کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اقبال بعض معاملات میں روسو کے مانند ہے، وہ چاہتا ہے کہ پھر سے عہدِ نبوی کے شاندار شب و روز آجائیں، اس کے تمام خیالات اسی ایک خواب کی تعبیر ہیں، روسو فطرت کی طرف جانا چاہتا ہے، اقبال دشتِ حجاز پر مٹا ہوا ہے، اس کا دل دکھتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ مسلمان تہذیب حاضرہ کے تصنع اور چمک دمک سے متاثر ہوتے جارہے ہیں جن میں سطحیت اور تعیش کے سوا کچھ نہیں، اسلامی روایات عربی ہیں، اس لئے انھیں اپنے شریفانہ جذبات اور قدرتی نظافت کو برقرار رکھنا چاہئے، یورپ کی نقل کسی طرح سودمند نہیں ہو سکتی، جیسا کہ ایرانی اوضاع و اطوار نے ماضی میں کچھ فائدہ نہیں پہونچایا، غیر ملکی خیالات کا مبالغہ آمیز اور غلامانہ تتبع ہر ایک قوم کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے"[1]

ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے :-

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۳۸ - ۱۳۹

"اقبال ہر حال اور ہر منزل پر وہی تیرہ سو برس پہلے کا حدی خوان شتربان اور عرب بدوی ہے وہ اپنے اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے کر مغرب اور مشرق کے آسمانوں کے نیچے سربلند گذرنا چاہتا ہے اور اپنی ملت کو بھی ساتھ لیجانا چاہتا ہے"[1]

ڈاکٹر صاحب نے صحرائیت اور بدویت کی جو تعلیم دی ہے، اوس کے وجوہ حسب ذیل ہیں،

۱- ایک تو یہ کہ مسلمانوں کا اصلی مولد و منشا ہی صحرائے عرب ہے، اس لئے ان کو قدرتی طور پر صحرائیت کی طرف مائل ہونا چاہئے، زبورِ عجم میں انھوں نے ابہام و اجمال کے ساتھ اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے،

لالۂ صحرایم از طرفِ خیابانم برید　　　در ہوائے دشت و کہسار و بیابانم برید

روبہی آموختم از خویش دور افتادہ ام　　　چارہ پردازان بآغوشِ نیستانم برید

وہ اپنی غزلوں میں عرب کے مشہور معشوقوں کا جو نام نہایت دلچسپی سے لیتے ہیں، اوس سے اسی عرب و حجاز کے خطہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، انھوں نے یورپ سے شیخ عبد القادر کو جو یہ پیغام دیا تھا،

رختِ جان بتکدۂ چین سے اٹھالیں اپنا
سب کو محو رخ سعدی و سلیمٰی کردیں

اوس سے یہی عرب و حجاز کا خطہ مقصود تھا، لیکن انھوں نے صرف انہی تلمیحات و اشارات پر قناعت نہیں کی ہے، بلکہ نہایت وضاحت کے ساتھ بتلا دیا ہے کہ وہ قوم کو صحرائے عرب کی سادہ زندگی اور سادہ اخلاق کی دعوت دیتے ہیں،

تا شعار مصطفےٰ از دست رفت　　　قوم را رمز بقا از دست رفت

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۱۰،

آن نہالِ سربلند و استوار — سیرتِ صحرائی اشتر سوار

پائے تا در وادیِ بطحا گرفت — تربیت از خلوتِ صحرا گرفت

رختِ ہستی از عرب برچیدۂ — در خمستانِ عجم خوابیدۂ

شل ز برفابِ عجم اعضائے او — سرد تر از اشکِ او صہبائے او

داستانے گفتم از یارانِ نجد — نکہتے آوردم از بستانِ نجد

محفل از شمعِ نوا افروختم — قوم را رمزِ حیات آموختم

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض مذہبی اور اخلاقی وجوہ سے ان کا میلان عرب کی طرف ہے، کیونکہ عرب کی سادہ صحرائی اور بدویانہ زندگی ہی نے دورِ اول کے مسلمانون مین فاتحانہ اخلاق پیدا کئے تھے، اور دورِ آخر مین عجمی اثرات نے اُن کو تعیش و ترہب کی طرف مائل کر کے ان اخلاق کو فنا کر دیا،

۲- صحرائی زندگی بالکل نیچرل اور فطری ہوتی ہے، کسی چیز مین تکلف و تصنع کا شائبہ نہین ہوتا، اس لئے اخلاق مذہب اور معاشرت سب اپنی اصلی حالت مین قائم رہتے ہین، اور فطرت کا جو منشا ہے وہ پورا ہوتا رہتا ہے، لیکن مہذب و متمدن زندگی کی مصنوعی لطافت و نزاکت فطری قوتون کو ضعیف کر دیتی ہے اس لئے ایک متمدن انسان مین وہ جوش و ولولہ نہین ہوتا، جو صحرا نشینون مین عموماً پایا جاتا ہے،

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی — یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

دنیا مین محاسب ہے تہذیبِ فسونگر کا — ہے اس کی فقیری مین سرمایۂ سلطانی

یہ حسن و لطافت کیون؟ وہ قوت و شوکت کیون؟ — بلبل چمنستانی شہبازِ بیابانی

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن — بنتی ہے بیابان مین فاروقی و سلمانی

اس لئے تہذیب و تمدن کی نازک، لطیف اور رنگین زندگی انسان کی ترقی کو روک دیتی ہے،

تو اے شاہین نشیمن در چمن کردی ازان ترسم

ہوائے او ببالِ تو دہد پروازِ کوتاہے

۳- متمدن زندگی بظاہر نہایت مسرور معلوم ہوتی ہے، لیکن درحقیقت اس کا ماحصل رنج و غم کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، چنانچہ آج ہم دیکھتے ہین، کہ مہذب دنیا مین زندگی کی مصیبت اور تکان کا احساس ناقابلِ برداشت طور پر بڑھا ہوا ہے، لیکن اولاً تو ایک صحرا نشین آدمی مین قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی خواہشین اور حاجتین بہت کم ہوتی ہین، اس لئے وہ قدرتی طور پر مہذب آدمی سے زیادہ مسرور زندگی بسر کرتا ہے، اور اس کی خودی مین تکان کے بجائے نشاط و نمو پایا جاتا ہے،

نغمہ پردازی ز جوئے کوہسار آموختم

در گلستان بودہ ام یک نالہ در دلکوئی

۴- صحرا کی اسی بے سروسامان نشاط انگیز اور خوددار زندگی کا نام ڈاکٹر صاحب کی اصطلاح مین فقر ہے، اور اسی فقر کی بدولت صحرا سے مجدد، رفارمر اور پیغمبر پیدا ہوتے ہین،

ہوتا ہے کوہ و دشت مین پیدا کبھی کبھی

وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگین

تعلیم و تربیت علم و عرفان کا حقیقی ذریعہ نہین ہے، بلکہ حقائق کا علم صرف کوہ و بیابان مین ہوتا ہے،

مدرسہ نے تری آنکھون سے چھپایا جن کو

خلوتِ کوہ و بیابان مین وہ اسرار ہین فاش

اس لئے خودی کی تربیت صرف دشت و بیابان مین ہوتی ہے،

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف — کہ مشتِ خاک میں پیدا ہو آتشِ ہمہ سوز
یہی ہے سرِ کلیمی ہر اک زمانے میں — ہوائے دشت و شعیبؑ و شبانیِ شب و روز

اسی تربیت یافتہ خودی کا نام نبوت ہے، اور اس کا ظہور صرف کوہ و بیابان سے ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر یہ شرف حاصل ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا اور صحرائے عرب میں؛

دران شب ہا خروشِ صبحِ فرداست — کہ روشن از تجلیہائے سیناست
تن و جان محکم از بادِ در و دشت — طلوعِ امتان از کوہ و صحراست

اس قطعہ میں ڈاکٹر صاحب نے نہایت واضح طور پر بتادیا ہے، کہ وہ صحرائیت اور بدویت کی ترغیب اس لئے دیتے ہیں کہ اس سے روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے، اور یہی قوت دین و دنیا کی سعادتوں کا سنگِ بنیاد ہے، اور اہلِ عرب نے اسی قوت سے دنیا کو زیر و زبر کر دیا تھا،

عرب را حق دلیلِ کاروان کرد — کہ او با فقرِ خود را امتحان کرد
اگر فقرِ تہیدستان غیور است — جہانے را تہ و بالا توان کرد

اس مسئلہ پر علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا ہے، چونکہ اس سے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، اس لئے ہم اس جگہ اس کے جستہ جستہ مقامات کا خلاصہ درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ "اقالیم معتدلہ میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی، اس لئے وہاں کے باشندے نہایت تنگ دستی کی زندگی بسر کرتے ہیں، مثلاً اہلِ حجاز اور جنوبی یمن کے لوگ ان کو اناج اور سالن میسر نہیں ہوتا، ان کی غذا صرف دودھ اور گوشت ہوتی ہے، لیکن باوجود اس فقر و فاقہ کے جسمانی اور اخلاقی حیثیت سے ان کی حالت سرسبز و شاداب مقامات کے خوش گذران لوگوں سے بہتر ہوتی ہے، ان کے رنگ صاف، اُن کے جسم پاک، ان کی صورتیں مکمل اور بہتر، ان کے اخلاق بے اعتدالی

سے منزہ، اور ان کے ذہن علم و ادراک میں زیادہ تیز ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہو کہ غذا کی کثرت اور رطوبت جسم میں فضلاتِ ردیہ پیدا کر دیتی ہے، اور اس سے جسم بے ڈول ہو جاتا ہے، اور اخلاطِ فاسد پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے رنگ میلا ہو جاتا ہے، اور گوشت کی کثرت سے شکل و صورت میں بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، دماغ پر بخاراتِ ردیہ کے چڑھنے سے ذہن و فکر پر پردہ پڑ جاتا ہے جس سے غباوت، بے اعتدالی اور غفلت پیدا ہوتی ہے،

شہری لوگ چونکہ عیش و عشرت میں منہمک رہتے ہیں، اور اُن کے جان و مال کی حفاظت پولیس کرتی ہے، اس لئے وہ اپنے قلعہ کی چار دیواری میں غفلت کی نیند سوتے ہیں، اور اُن کو کسی قسم کی بے اطمینانی نہیں ہوتی، وہ ہتھیار اتار کر پھینک دیتے ہیں، اور جب اس طرح کئی پشت گذر جاتی ہے، تو وہ عورتوں اور بچوں کی طرح دوسروں کی حفاظت کے محتاج ہو جاتے ہیں، اور یہ ان کا طبعی اخلاق ہو جاتا ہے، لیکن بدو چونکہ اجتماعی زندگی سے الگ، صحرا میں زندگی بسر کرتے ہیں، اس لئے نہ ان کو پولیس کی مدد حاصل ہوتی ہے، نہ اُن کے گھر میں چار دیواری ہوتی، اس لئے وہ اپنی مدافعت خود کرتے ہیں، اور ہمیشہ مسلح رہتے ہیں، اِدھر اُدھر دیکھتے رہتے ہیں، اور گہری نیند کبھی نہیں سوتے، صرف بیٹھے بیٹھے اونگھ لیتے ہیں، یا اونٹوں کے کجاوے پر اُن کی آنکھ لگ جاتی ہے، صرف اپنی قوت پر بھروسا کر کے جنگلوں اور میدانوں میں تنہا گھومتے پھرتے ہیں، اس لئے قوت اور شجاعت ان کا فطری جوہر بن جاتی ہے" اور انہی حقائق کی طرف ڈاکٹر صاحب نے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے؛

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے؟ — شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں — چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش
نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے — کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی برّاقی

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی لہو مجھکو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اے بادِ بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو خاموشی و دلسوزی سرمستی و رعنائی

(باقی)

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسالِ زر کے وقت براہِ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہوجاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیے ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر رسالہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

مینیجر دارالمصنفین

مآل و مشیئت

از

جناب صاحبزادہ خان بہادر ظفر حسین خان صاحب سابق انسپکٹر مدارس یوپی و آل ریجل پولیٹکل ریلیشن آفیسر حکومت ہند

"مقالۂ روسو" کے مترجم اور "مساحتِ ذہنی" کے لائق مصنف اپنے منصب کے فرائض مفوضہ کی ادائی کے ساتھ اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع سے علم و ادب کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی کرتے رہے ہیں، وہ اگرچہ ایک زمانہ کے بعد بزمِ معارف میں شریک ہونے کا موقع نکال سکے لیکن دارالمصنفین سے ان کے دیرینہ مراسم کی یاد ہمیشہ تازہ رہی، اُمید ہے کہ ناظرینِ معارف موصوف کے پختہ کار قلم کی تازہ گلکاریوں سے لطف اندوز ہوں گے،

"س"

دفترِ اول

مآل

کتنے الفاظ ہیں جو انسان کی زبان پر شب و روز عادۃً جاری ہیں، مگر جن کا مفہوم یا تو سطحِ فہم سے اس قدر بلند ہوتا ہے کہ سمجھ سے باہر ہوتا ہے، یا پھر دھندلے سے نقشِ معنی کے سوا کچھ نہیں، لیکن انسان بزعمِ خود اس کو حقیقت کی مکمل تصویر سمجھتا ہے، کائنات، موت، حیات، جبر، قدر، مادہ، جوہر، روح، قوت، حرکت، مآلِ زندگی، مشیئتِ ایزدی، کون روز نہیں بولتا، لیکن کیا ہم اُن کی حقیقت کو کما حقہ، سمجھتے ہیں ؟

جن عقائد کو عوام بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے ہین، فلسفی ان عقائد کو عقل کی کسوٹی پر کستا، اور فہمِ انسانی کی سہل انکاریون اور ضعیف الاعتقادیون کو فلسفیانہ تنقید کی روشنی مین دیکھتا ہے، فلسفہ کی ضخیم و حجیم کتابون مین سر کھپانے سے زیادہ مفید عمل شاید یہ ہوگا، کہ کبھی فرصت کے چند لمحون مین ہم اپنے متاعِ علم کا جائزہ لین، یعنی جن عقائد کو ہم حقائق سمجھتے رہے ہین، ان کی عقلی بنیادون پر غور کرین اور یا در ہو تو ہمارے عقائد کو اپنی فہرست سے ایک ایک کرکے کاٹتے جائین، اس عمل کے اخیر مین یا تو ہم جانین گے کہ کچھ نہین جانتے، یا ہمارے عقائد کی فہرست سمٹ کر گنے چنے اصول پر آجائے گی، جن کو ہم اپنے علم کے بنیادی اور اٹل اصول کہہ سکتے ہین، اور پھر ان بنیادی اصول سے مستخرج اور مستنبط نتائج و اصول کی مدد سے اپنے علم کی عمارت از سرِ نو بنا سکتے ہین، جس کو بجا طور پر اپنا فلسفۂ حیات کہہ سکتے ہین،

سطور ذیل اسی قبیل کی سعی کا ایک عکس ہے، ان مین جا بجا فلاسفۂ ماسبق کے خیالات کی جھلک نظر آئے گی، لیکن دوبارہ غور کرنے پر مفہوم کی سمت کا اختلاف خود بخود ظاہر ہو جائے گا، فلسفہ کے کسی طالب العلم کا ذہن خواہ وہ کتنا ہی غیر جانب دار کیون نہ ہو، کسی نہ کسی نظام سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، لیکن متاثر ہونا مقلد ہونے کا مرادف نہین، ہو سکتا ہے کہ ایک فلسفی کانٹ کے نظامِ فلسفہ سے متاثر ہوتے ہوئے اپنا جداگانہ نظامِ خیال رکھتا ہو، جس مین جا بجا اس تاثر کے آثار پائے جاتے ہون، لیکن بہ حیثیت مجموعی اور آخری نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک جداگانہ چیز ہو گی،

علاوہ برین اپنے خیال کے آخر منزل تک پہنچنے کے لئے ہر مفکر کو کچھ دور ایسی راہون پر چلنا ہوتا ہے، جو دوسرون کی بنائی ہوئی تھین، اور اُن کے بعد اپنی راہین نکالنا ہوتی ہین، اس لئے اُن کے ذہنی نقل و حرکت کا پورا نقشہ پیش نظر رکھے بغیر، تتبع، تقلید یا سرقۂ خیال کا اتہام بعید از انصاف ہوگا،[ا]

[ا] راقم الحروف کسی مخصوص مدرسۂ فلسفہ کا تابع نہین، اس کے ساتھ متداول مذاہبِ فلسفہ سے خالی الذہن بھی نہین جہان جہان سابقین اور اپنے درمیان مشترک راستون کو طے کیا ہے، پورا پورا احساس ہے، لیکن چونکہ اپنی منزل

نشأۃ جدیدہ کی نگاہ مین سائنس حقیقت شناسی کا آخری نقطہ ہے، اور علم و معانی کے ہر گوشہ پر حاوی، دارالاختبار کا سفید پیرن پوش سائنس دان اقلیم علم کا فرمانروا ہے، اور اس کا نادری حکم چار دانگ عالم مین جاری ہے، بیچارہ فلسفہ پسپا ہو کر کنشت و مسجد و بتخانہ و دیر مین قلعہ بند ہے، اگرچہ سائنس کے حملے شب و روز، دیر و حرم پر بھی جاری ہین، مگر مذہب کی سنگلاخ دیوارین، صدیون کے پیہم حملون کے باوجود، اپنی جگہ پر قائم ہین، اور اصل یہ ہے کہ مابعد الطبیعات کے بچے کھچے تصورات کو اگر کہین پناہ ملی ہے تو وہ مذہب ہی کا دار السلام ہے، لیکن سائنس کی ان تمام لن ترانیون کے باوجود، آپ نے کبھی غور کیا کہ اس کی بودگی کیا ہے ؟ بس مظاہر فطرت کے دستور ظہور کو دریافت کرنا اور جو کچھ آنکھ سے دیکھا یا کان سے سنا یا دیگر حواس کی مدد سے محسوس کیا، اُن کو مختلف سرخیون کے تحت مین ترتیب دینا اور شمار و اعداد کا انبار جمع کرنا، ایک سائنٹسٹ کا کام اُس لائبریرین سے زیادہ نہین جو کتب خانہ کی بے شمار کتابون پر چٹین لگا کر مختلف مضامین مین تقسیم کر دیتا ہے، لیکن اگر آپ اس سے پوچھین، کہ ان کتابون کے اندر کیا ہے تو وہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا، سوائے قانونِ فطرت دریافت کرنے کے جو عبارت اس امر سے ہے، کہ کسی فطری واقعہ کے واقع ہونے کے طور و طریق کیا ہین، سائنس سلسلۂ اسباب کا بھی سراغ نہین لگاتا، کنہ ذات اور ماہیت کی گہرائیون تک جانا تو بڑی بات ہے، طبیعات

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸) آگے تھی اس لئے ان حوالون کو قلم انداز کرنا مناسب سمجھا گیا، علاوہ برین حق کسی کا کاپی رائٹ نہین، اور اس کے بیان مین ہر شخص بلا خوف تردید و توارد اپنا اسلوب اختیار کر سکتا ہے، زمانۂ حال کے تصنیف و تالیف کا دستور ہے، کہ لوگ دوسرون کی کتابون سے تفصیلی نوٹ لیتے ہین، اور اپنی تحریر کا حجم دل کھول کر اقتباسات کی بھرمار سے بڑھاتے ہین، اس کے برخلاف اپنا نظریۂ مطالعہ یہ رہا ہے کہ ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد جو نفس مطلب ذہن مین باقی رہ گیا، اتنا ہی کارآمد سمجھا، اور جس کو ذہن نے قبول نہین کیا، اور اس لئے فراموش کر دیا، اس کے بارے ذہن کے محفوظ رہنے ہی مین عافیت سمجھی،

کیا ہے، عنصری ظہور ترتیب پر ایک سرسری نظر یا رقصِ ذرات کا تماشا، نباتیات کیا ہے؟ لالہ وگل کی
سوانح عمری، حیوانیات کیا ہے؟ مرغ وماہی کا افسانہ، ہیئت کیا ہے؟ اختر شماری، اور سیاروں
کی حرکت کی داستان سرائی، رائج الوقت مسئلہ ارتقاء کی حقیقت بھی ایک بوستان خیال سے زائد
نہیں، جس میں ماحول اور اجسام کے باہمی عمل ورد عمل کے طلسم ہوش ربا کے علاوہ "کیوں" اور "کس لئے" کا
کا جواب در کنار، یہ تک پتہ نہیں چلتا، کہ فطرت کے مختلف طبقات کے اندر کسی جداگانہ ارتقاء کا ڈرامہ
ہو رہا ہے، یا کسی نہج سے ادنیٰ طبقات، اعلیٰ طبقات حیات میں بھی ترقی پذیر ہو سکتے ہیں، اقدار، مآلِ
حیات، کون وفساد کو چھوڑیئے، ان کا حل تو سائنس خود اپنی استعداد سے باہر تسلیم کرتا ہی ہے، خود
سائنس کے اولیات اور مظاہر فطرت کی ماہیت ہمیشہ مابعد الطبعیات کا موضوع بحث رہا ہے، اور رہے گا،
ارسطاطالیس، طبعیات کے بعد اسی وجہ سے مابعد الطبعیات پر رسائل لکھنے پر مجبور ہوا، کہ مباحثہ حق
تشنہ رہا جاتا تھا، سائنس دان کی مثال ایک مکھی کی ہے، جو ایک بڑے کرہ پر بیٹھی ہو، اور اپنی حد نظر
کی مجبوریوں سے کرہ کو ابعادِ ثلاثہ کے بجائے صرف طول وعرض میں محدود سمجھتی ہو، سائنس کی نظر
کائناتِ عالم پر ہمیشہ جزئی پڑتی ہے، اور فلسفہ کی ہمہ گیر اور کلی، سائنس کے پاس آخری توجیہ کا
آلہ بخت واتفاق ہے، جب کہ فلسفہ فطرت کے عقدے عقل محض کی روشنی میں حل کرتا ہے، سائنس
کی نظر پست ہی، اس معنی کر کہ وہ حیات کو غیر حی عناصر کی مدد سے اور شعور کے کرشموں کو بے شعور مادّہ
کی مدد سے حل کرنا چاہتا ہے تخلیق کی ہر نئی منزل پر (مثلاً جمادات کے بعد نباتات، نباتات کے بعد
حیوانات) جہاں عقل توجیہ سے عاجز ہوئی، وہاں سائنس نے عناصر کے اتفاقی اجتماع کا عذر تراشا،
غور کیجئے تو سائنس کے "اتفاق" اور مذہب کے "خدا" میں سر مو فرق نہ پایئے گا، اور اگر شمار کیجئے تو بلا مبالغہ
سائنس مذہب سے کہیں زیادہ معجزات کا قائل نکلے گا،

نشاۃ جدیدہ سے دوسری شکایت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری قوت، فہم انسانی کے گھٹنے

اور حد و دبندی میں صرف کر دی ہے، جس کا نام بعد الطبعیات کی اصطلاح میں علمیات رکھا گیا ہے، اور
موجودیات یا حقیقتِ موجودات کی تفتیش کی جانب جو فلسفہ قدیم کا خاص مشغلہ تھا، بہت کم اعتنا
کیا ہی، مغرب کے فلسفیوں نے حقیقتِ علم ہی کے جاننے کو کافی سمجھا، اور حقیقتِ علم ہی کے واسطے سے،
حقیقتِ اشیا کی سرسری جھلک دیکھنے کی کوشش کی ہے، ڈیکارٹ، لاک، ہیوم، کانٹ وغیر
فہم انسانی کی حقیقت شناسی کے باہر قدم نکالنا فلسفہ کا گناہ کبیرہ سمجھتے رہے، جس کا ایک ناگزیر
ردِ عمل یہ ہوا کہ سارا فلسفہ نفسیات میں سمٹ کر آگیا، اور نشاۃ جدیدہ کے پرستاروں کی ساری سعی
اسی بت کے تراشنے اور سنوارنے میں صرف ہوتی رہی، یہاں تک کہ زمانہ کی رفتار کے مطابق نفسیات
کو سائنس کا درجہ مل گیا، اور دار الاختبار کے تجانے اس نئے سومنات سے سجائے جانے لگے، چونکہ
اس تحقیق کی جڑ خود پرستی میں تھی، اس کی دل فریبیوں نے دنیا ومافیہا کو بالکل بھلا دیا، اور انسان، انسان
ہی کو پوجنے لگا، غالب کے ہاں یہی فلسفہ نغمہ بن گیا :-

گلت را نوا، نرگست را تماشا

تو داری بہارے کہ عالم ندارد

کیر کا گارڈ، ہائی ڈیگر، برگسون اور شیلر کی سرکردگی میں اس تحریک کے خلاف خفیف سا ردِ عمل
شروع ہوا تھا، اور موجودیات، کنہ ذات، حقیقت اشیا کی جانب از سر نو توجہ شروع ہوئی تھی،
لیکن ذہنی موسم اس قسم کے خیالات کے لئے اس قدر ناساز گار تھا، کہ یہ تحریکیں پنپ نہ سکیں،
انسان کیا ہے؟ نظام عالم کا ایک عضو، کائناتِ عالم سے الگ اس کا کوئی مفہوم نہیں، مگر ہوا
یہ ہی، کہ ادھر ذہن نے سہولتِ فہم کے لئے تجرید خیال کیا، گل سے رنگ اور رنگ سے بو کو جدا کیا،
ادھر زبان نے ہر تصور کے نام رکھ دیئے، اب کیا تھا، جس طرح لغت میں ایک ایک لفظ الگ ہی،
ذہن نے کائنات عالم کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، حقیقت میں گوشت سے ناخن جدا ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو،

لیکن ذہنی تجرید، زبان کی سازش سے ایسے شعبدے ہمہ وقت کرتی رہتی ہے، منطق کا فن جو انسان نے اپنے اس غیر فطری ذہنی مشغلہ میں مدد دینے کے لئے خود ایجاد کیا تھا، حقیقت سے گمراہی کا مزید ذریعہ بن گیا، موضوع و معروض، صفت و موصوف، مبتدا و خبر کی تفریقیں، حقیقت میں محض خیالی ہیں، اور سخت ضرورت ہے، کہ مابعد الطبیعیات کے صحیح نظام کی ابتدا، مابعد المنطق کے ایک ایسے نظام کی داغ بیل سے کی جائے، جس کی بنیاد بجائے تحلیل کے ترکیب پر قائم ہو، فی زمانہ تجرید کی نحوست نظریات سے متجاوز ہو کر انسانی اعمال و کردار تک متعدی ہو گئی ہے، موجودہ فلسفۂ اخلاقیات کیا ہے؟ انسانی تعلقات کا پوسٹ مارٹم! خیر و شر، فضائل و رذائل کے نام نہاد تصورات میں اخلاق کی فرضی تقسیم، جزء پرستی نشاۃ جدیدہ کی سیرت میں اس قدر رچ بس گئی ہے، کہ ہم نہ صرف کسی شے کے جزء کو دیکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اس جزء پر ذہن کے صرف ایک جزء سے نظر کرتے ہیں، اگر ہم ایک طرف کسی شے پر من حیث الکل غور کرنے سے معذور ہیں، تو دوسری طرف ذہن کے من حیث الکل استعمال سے معذور ہیں، نفسیات نے ذہن کا مصنوعی تجزیہ عقل، جذبہ اور ارادہ میں کیا، گویا ذہن الگ الگ خانوں میں تقسیم ہو گیا، جن کو ایک دوسرے سے واسطہ ہی نہیں، کبھی عقل کی طرف جھکے تو اس قدر غلو کیا، کہ اہل و عیال گویا اقلیدس کی شکلیں بن گئیں، کبھی جذبات سے مغلوب ہوئے تو پردۂ ناموس تار تار کر دیا، کبھی ارادہ کا بھوت سوار ہوا تو خودکشی کرنے میں بھی تامل نہ ہوا، آخر الذکر قنوطیت کا علمبردار، دشمنِ اسلام فلسفی (شوپن ہاور) جس کی عصبیت بلا دلیل قرآن کو (نعوذ باللہ) فاسقانہ کتاب کہنے میں تامل نہیں کرتی، اپنے مہمل نظامِ خیال کو تکرار و اعادہ کے بل پر ہم سے منوانا چاہتا ہے، غرضکہ جہاں دیکھئے، یک رخی، جزء پرستی، تصویر کا ایک رخ سامنے ہے؛

از خلشِ کرشمہ کار نمی شود تمام

عقل و دل و نگاہ را جلوۂ جدا جدا طلب

یہ جزء پرستی تین طرح کی ہو (۱) جزء و شے پر جزء و ذہن کا عمل (۲) کل شے پر جزء و ذہن کا عمل،

(۳) جزء و شے پر کل ذہن کا عمل، حقیقت شناسی کی شاہراہ ایک اور صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ کل معروض پر کل موضوع کا عمل ہو، اور کل شے سے کل ذہن کا رابطہ قائم ہو، صحیح مابعد الطبیعیات کا موضوعِ بحث بھی کلی عمل ہے، جس میں مروجہ منطق اور سائنس بجائے معین ہونے کے مخل اور سدراہ ہوتی ہیں، اور ایک ایسے مابعد المنطق نظام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو موضوع و محمول، علت و معلول، تصور و تصدیق، قیاس و استقراء، حکم و استدلال کے مصنوعی تفرقے مٹا کر عقل کے وحدانی اور قدرتی عمل کی آئینہ دار ہو، علت معلول ہی کے مغالطہ کو لیجئے انسان کی جزء پرست پندار کے مطابق علت گویا ایک فاعل مطلق اور معلول ایک مفعول محض ہے، جو علت کے پنجہ میں گویا بالکل مجبور ہے، لیکن اس مسئلہ پر ذرا ایک کلی اور ہمہ گیر نظر ڈالئے، تلوار کی دھار ممکن ہے کہ انسان کی گردن کے اندر سے بادِ نظر کی طرح گذر جائے لیکن ذرا سنگِ خارہ پر وار کر کے آزمائیے تو حقیقت میں دوسرا رخ خود بخود بے نقاب ہو جائے گا، عرف عام میں جس طرح دو ہاتھوں کے بغیر تالی نہیں بجتی، عالم اسباب کی گہرائیوں میں نظر دوڑائیے تو دیکھئے گا کہ علت بغیر اپنے معلول کی معاونت کے بے اثر اور بے عمل ہے، ذرا غور کیجئے کیا یہ تعاون تعلیل کی ایک دوسری شکل نہیں تو کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر علت و معلول کی تفریق کیسی؟ منطق کی اصطلاح میں اس قضیہ کی تحلیل کہ "انسان ناطق" ہے، یہ ہوتی ہے، کہ "انسان" موضوع اور "ناطق" محمول ہے، لیکن کیا فی الواقع نطق، انسان سے کوئی علحدہ وجود رکھتا ہے، نیوٹن کی مطلقیت کا رد عمل آئنسٹائن کی اضافیت میں ظہور پذیر ہوا، لیکن مضاف اور مضاف الیہ کو چھوڑ کر ان کی درمیانی اضافت کو حقیقت سمجھنا ذہنی تجرید کی شعبدہ بازی ہے، جو بسا اوقات ایک ہی شے کے اندر اول مضاف و مضاف الیہ قرار دیتی ہے اور پھر ان کی باہمی اضافت کی جداگانہ صورت گری کرتی ہے، حالانکہ اضافت کا کہیں مضاف سے علحدہ وجود ہوا ہے؟

تجرید کی حماقت، موسیقی، یا کسی آرٹ کی صنعت گری کے مقابلہ میں بخوبی ظاہر ہوتی ہے جہاں کلی صنعت سے کسی جزو کا ایک آن کے لئے جدا کرنا، اس کی حقیقت کو فنا کر دیتا ہے، "جہان چارسو"

انفس و آفاق سے بڑھکر کون صنعت ہو گی، اور یہ صنعت عالیہ تجرید و تحلیل کی کب تاب لا سکتی ہے، اس کی حقیقت ایک ایسی وسیع النظری کی طالب ہے، جو کل پر محیط ہو، جو لوگ افلاطون کے اعیان نامشہود کو تصورات کا مرادف سمجھتے ہیں، سخت غلطی کرتے ہیں، اصل میں تصور ہمارے تجربہ سے ماخوذ چیز کا نام ہے، ہم ایک مخصوص رنگ و بو اور شکل کا احساس کرتے ہیں، جس کا علم گلاب کے ادراک کی شکل میں رونما ہوتا ہے، پھر ہم لالہ و نسرین و نسترن کا اسی طرح ادراک کرتے ہیں، اور اس طرح "پھول" کے عام تصور تک پہنچتے ہیں، یہ تجرید کا عمل ہے، اس لئے کہ عام پھول کا کائنات میں کہیں وجود نہیں، لیکن ادراک کے ساتھ کسی شے کی عین ذات کو تاڑ لینے والی نگاہ بھی ہمارے اندر ودیعت ہے، جو حقیقۃً ہمارے نفس کا انتہائی کمال علم ہے، اور جس کے سامنے اعیان غیر مشہود اسی طرح مشہودات حقیقی ہیں جس طرح مظاہر فطرت جن کو ہمارے حواس محسوس کرتے ہیں، اعیان شناسی کی اس قوت کو وجدان کہئے، نظر حقیقت کہئے، عقل اعلیٰ کہئے، یہ وہ قوت ہے جو اعیان کا براہ راست اسی طرح علم حاصل کرتی ہے، جس طرح قوت مدرکہ مدرکات کا، اعیان تصورات مجردہ نہیں، بلکہ مدرکات کے قبل کی ایک شے ہے، جن کو ہم قوت مدرکہ سے نہیں، بلکہ وجدان کی قوت سے اپنے سامنے پاتے ہیں، یہ وہ منزل ہے، کہ الفاظ بیان کی مساعدت نہیں کرتے، اور نطق خیال کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے؛

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمی گنجد　　　یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی

اس کی ذرا سی جھلک دیکھنا ہو تو تصور کیجئے کہ آپ ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہیں، آفتاب دن بھر کی ضیا پاشی سے تھک کر افق کے پردہ کے اندر جا چکا ہے، دھندلکا ہو چلا ہے، آپ ایسے مقام پر کھڑے ہیں، کہ باد تند کا ایک تھپیڑا آپ کو ہزاروں فٹ نیچے گرا سکتا ہے، پہاڑی کے نیچے ایک وسیع جھیل کے شفاف اور ساکن پانی میں کنارہ کے درختوں کا عکس پڑ رہا ہے، ہر طرف سکوت کا عالم ہے، سوائے قلب کی حرکت کے جس کو آپ اس وقت بخوبی سن سکتے ہیں، ہر پتہ خاموش اور ہر ذرہ

مہر بلب ہے، اس کیفیت کی اگر آپ نفسیاتی تحلیل کریں تو شاید کہیں گے، کہ آپ پر خوف و ہراس تحت محویت سے ملی جلی ایک حالت طاری ہے، اور اس وقت آپ صحیح معنی میں روح مظاہر یا عین نامشہود کا مشاہدہ کر رہے ہیں، جو روزمرہ کی زندگی کے مدرکات میں مفقود ہوتا ہے، خوف و ہراس کی انقباضی کیفیت جسے درد دل کہئے یا کسی اور نام سے تعبیر کیجئے، اصل میں علم کی کنجی ہے، کان آنکھ ہم سب کے ہیں، مگر ان کے "ہونے" کا احساس اسی وقت ہوتا ہے، جب ان میں درد ہو، ورنہ کبھی بھولے سے بھی ان کا خیال نہیں آتا، یہی درد و الم شعور کی جان ہے، اور اگر موت واقعی حیات انسانی کا سب سے زیادہ المناک واقعہ ہے تو شاید اسی مناسبت سے علم حقیقی کا وسیع باب علم بھی ہو، معمولی زندگی میں یہی انقباض تشکک کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جو ہر علم کا پیشرو ہے، اور بیان و اظہار کی صورت میں یہی شکوک سوالات کا جامہ پہن لیتے ہیں، جن کا جواب علم ہوتا ہے، سقراط جو ایک دایہ کا لڑکا تھا، کہا کرتا تھا، کہ "میں نے فن سوال اپنی ماں سے سیکھا ہے، جس طرح وہ حاملہ عورتوں کو وضع حمل میں مدد کرتی تھی، میں انسانوں کے دماغ کو خیالات کے حمل سے ہلکا کرتا ہوں"، فلسفہ کی تاریخ میں یہ طریق سوال طریق سقراطی کے نام سے مشہور ہے، منطق کی تدوین میں صدیاں صرف ہو گئیں، اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، ذہن کے تجریدی عمل نے اب منطق کو الجبرا بنا دیا ہے، جس میں خیالات کے بجائے علامتیں اختیار کر لی جاتی ہیں، اور پورا سلسلۂ فکر علامتوں میں تحویل کر دیا جاتا ہے، لیکن تفتیش کا صحیح راستہ یعنی سوال کی ٹکنک کی دریافت و تدوین کی جانب کسی نے اعتنا نہیں کیا، حالانکہ یہ تفتیش حق کا سہل ترین اور فطری طریقہ ہے، اور اس کے قواعد و ضوابط منطق کی مثل اس طرح بنائے جا سکتے کہ انسان اپنے نفس سے صحیح سوال کرنا اور صحیح جواب حاصل کرنا سیکھ سکے، سوال و جواب اضافی تصورات ہیں، جن کا خاصہ یہ ہے کہ ایک کے ذہن میں آنے کے ساتھ دوسرا خود بخود ذہن میں خطور کرتا ہے، اس لئے کہ دیگر مضاف و مضاف الیہ کے تصورات کی طرح سوال و جواب کی تفریق بھی ذہن کے بر خود غلط

تحلیل و تجرید کے عمل نے مصنوعی طور پر کردی ہے، اصل میں دونوں ایک ہیں، صرف روئے سخن کا فرق ہوتا ہے، استفسار میں حقیقت کا مستفسر رُخ سامنے ہوتا ہے، جو جواب کی شکل میں علم کا دوسرا نام ہے،

راقم الحروف نے اپنی طالب العلمی کے زمانہ میں ماہیت استفسار پر کافی مواد جمع کیا تھا، اور اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ لکھنے کا قصد تھا، اس باب میں اپنے ہم عصر و ہم مذاق طلبہ سے تبادلۂ خیالات کیا تو انھوں نے خوب مضحکہ اُڑایا، اور مجھے "مفتش" "مستفسر" اور شاید "سائل" کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا، جس کا رد عمل ایک طرف تو یہ ہوا کہ میں اپنے معترضین کو جواب دینے کے لئے مزید مواد جمع کرنے میں مشغول ہوگیا، لیکن دوسری طرف یہ ہوا کہ اس کو شائع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی یہان تک کہ سارا مواد ملازمت کے تبادلون کے دستبرد کے نذر ہوگیا،

بادی النظر میں کائنات عالم کی بساط، اسباب و نتائج کا چارخانہ نظر آتی ہے لیکن اس کے تار و پود کو ذرا غور سے دیکھئے تو ہر مقام پر غرض و غایت کی آمیزش نظر آئے گی، اگر فطرت کے ہر منظر کے پہلے ایک سبب نظر آئے گا، تو اس کے بعد ایک غایت بھی رونما ہوگی، اور فہم انسانی حیران ہو گی، کہ حقیقی لم کس کو کہا جائے، اسباب ماسبق کو یا غایات مابعد کو، ارتقائے فطرت پر گہری نظر ڈالیے جس کو سائنس کے مقابلہ میں مابعد الطبیعیاتی نظر کہنا بیجا نہ ہوگا، تو معلوم ہوگا کہ وہ سرتاپا اغراض و مقاصد سے مرکب ہے، اور نظام عالم میں اسباب کی حیثیت، ذرائع و وسائط سے زائد نہیں، جن کو مشیت، گویا اپنے حسب منشأ نتائج اخذ کرنے کے لئے اختیار و انتخاب کرتی ہے، ہر عمل کے آگے ایک غایت ہوتی ہے، جو اسباب و ذرائع کو چن چن کر اس طرح رکھتی جاتی ہے کہ اُن کے اجتماع سے اعمال مقصودہ ظہور پذیر ہوتے جاتے ہیں،

اس نظریہ کے سامنے میکانکی تصور حیات جو مظاہر فطرت کو اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ ماضی میں دور تک پھیلا ہوا تصور کرتا ہے، ایک جسم بے روح نظر آتا ہے، لیکن یہان ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعات کی رفتار، ماضی سے حال میں ہو کر مستقبل کی طرف ہے، جیسا کہ میکانکی تصور فرض

کرتا ہے، یا یہ دھوکا ہے، اور حقیقت میں واقعات کی رفتار کا رُخ مستقبل سے حال میں ہو کر ماضی کی جانب ہے، اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم وقت کی ماہیت کی بحث کے ساتھ غور کرین گے اس لئے کہ یہ سوال دراصل وقت سے متعلق ہے کہ اس کی رفتار ماضی سے مستقبل کی جانب یا مستقبل سے ماضی کی جانب ہے، چلتی ٹرین میں درخت پیچھے بھاگتے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، اگر درختوں کی جگہ ہم وقت کو اور ٹرین کی جگہ، محوری و مدوری گردش میں مشغول زمین کو تصور کرلین تو وقت کے متعلق بھی متداول تصورات فی الجملہ مشکوک نظر آنے لگین گے،

لیکن یہان تک ہم نے کل عالم پر اپنے ذہن کے صرف دو پہلوون سے نظر کی، خالی فہم سے کام لیا، تو کائناتِ عالم محض عالم اسباب نظر آیا، اگر ارادہ کو زاویہ نگاہ بنایا تو عالم اسباب کے پہلو بہ پہلو ایک قصر امل تعمیر ہوگیا اور اغراض و غایات کی دوسری دنیا آباد نظر آنے لگی، ان دونون پر جذبات کا اور اضافہ کیا، اور جذبات کے نقطۂ نگاہ سے عالم پر نظر ڈالی تو اس عالم رنگ و بو کی حقیقت کا دوسرا رُخ بے نقاب ہوا، وہ یہ کہ اس تمام ہنگامۂ ایجاد کی رونق نغمۂ شادی سے نہین، بلکہ نوحۂ غم کے دم سے ہے، تخم اپنے کو فنا کر کے برگ و بار لاتا ہے، پیدائش کے ہر منظر کا پیش خیمہ کرب و الم ہے، اور بقا کے ہر نہال کی آبیاری خون سے ہوتی ہے، خواہ یہ حیات انفرادی ہو، یا حیات ملی، فطرت انہی قربانیون کی آئینہ دار، تاریخ ان ہی قربانیون کا افسانہ اور انسانی زندگی انہی قربانیون کا مرقع ہے،

آئندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است

یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

حیات کی طرح موت بھی ایک مسلسل خط ہے، جس کا آغاز حیات کے ساتھ ہی ہوجاتا ہے، اور وہ جس کو عرف عام میں موت کہتے ہیں اسی خط کا آخر نقطہ ہے، زندگی کا ہر وہ لمحہ جو گذر گیا موت کے خط کا گذشتہ نقطہ تھا، اور بظاہر یہ امر کتنا ہی مبہم نظر آئے،

واقعہ شاید یہی ہے، کہ جینے کے ساتھ ہی ہم مرنے بھی لگتے ہین، ہر حرکت کی ماہیت کا جذبی پہلو الم و انقباض ہے اور انبساط و لذت، عدم انقباض و الم کا نام ہے، فطرت کا خمیر درد و غم ہی سے ہے، جو کہین غمِ دل کہین غمِ روزگار بن جاتا ہے،

مری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا

اس جہانِ آرزو مین ایک آرزو پوری ہونے نہین پاتی، کہ اس کی جگہ دوسری آرزو لے لیتی ہے، ایک آرزو کی پیروی، ایک مقصد کے حصول کی آس مین جو وقت صرف ہوا، وہ بے چینی مین گذرا، اُسکا یا تو بالآخر داغ نامرادی کھایا، یا اگر مقصد پورا ہوا، اور درد مین چند لمحہ سکون ہوا تو اس لئے کہ دوسرے مقصد کی لگن شروع ہو، غرضکہ ساری تقویم حیات اقبال کی زبان مین "تب و تاب جاودانہ" ہی رہی، ایک طائر کس جانفشانی سے اپنے آشیانہ کے لئے تنکے چنتا ہے، کس ایثار کے ساتھ اپنے بچون کی پرورش کرتا ہے، اور یہ سب اس لئے کہ یہ تمام صیاد کے دستِ جفا سے تحس نحس ہو، اگر زندہ بچے تو پھر وہی وظیفہ مشقت، وہی دور ابتلاء محن، وہی خس چینی اور پھر انجام مین وہی بربادی، اگر بچون نے پر و بال نکالے اور خود اپنے پیرون پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تو ان کا مقسوم بھی اسی دائرۂ رنج و محن کی گردش قرار پایا، دیگر حیوانات کی حیات پر نظر ڈالئے تو اُن کی زندگی بھی بہ شکل دیگر اسی افسانۂ غم کا اعادہ ہے، انسانی حیات مین چونکہ شعور، ادراک، تخیل، اور حافظہ ارتقار کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس کے درد و الم کا دائرہ بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، چنانچہ انسان حیوان کی طرح جسمانی تکلیف ہی سے متاثر نہین ہوتا، بلکہ اس کا حافظہ گذرے ہوئے غمون کو یاد دلا کر رولاتا، اور اس کا تخیل آیندہ مصیبتون کے خوف سے اُسے بے چین رکھتا ہے، ہر جسمانی حرکت یا ذہنی فعل محنت خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے، ہمیشہ متلزم الم ہے، جس کو ہر شخص اپنے تجربہ سے محسوس کر سکتا ہے اُس

اس حقیقت سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ حیاتِ انسانی کا ہر لمحہ الم سے توام ہے، زمان کی نظری حقیقت کچھ ہو لیکن اس کی جذبی حقیقت الم ہی ہے، جس کو ہم ہمہ وقت محسوس کرنے کے لئے مجبور ہین، ہنگامی احساسِ لذت کوئی ایجابی جذبہ نہین، بلکہ فقدانِ الم ہی کا دوسرا نام ہے، اس لئے اس کی ماہیت سلبی ہے ایجابی نہین، ایجابی شے الم اور صرف الم ہے، لذیذ کھانون کا لطف خود کھانون کے اندر نہین، بلکہ الم کی اس صورت سے وابستہ ہے، جسے ہم بھوک کہتے ہین، اصل حقیقت بھوک ہے، سیری بھوک کا سلبی پہلو ہے،

غرضکہ کائناتِ عالم پر جس طرف چاہے نظر ڈالئے قربانی و ایثار، درد و الم، حزن و ملال، مآلِ حیات کے اجزاے ترکیبی نظر آئین گے، اگر ہم ہر قدر کے آگے دوسرے فاضل تر قدر رکھتے جائین، تو بالآخر ہمارا سلسلہ تین اعلیٰ قدرون پر ختم ہوگا، یعنی حق، خیر، حسن، جو علی الترتیب منطق، اخلاقیات اور جمالیات کا موضوع بحث ہین، اور نفس انسانی کی سہ گونہ قوتون یعنی علم، عمل اور جذبات کے مطابق و متقابل ہین، لیکن اس تثلیث کی توحید کی جائے، تو حق، خیر، اور حُسن مآلِ حیات ہی کے تین جداگانہ پہلو ہین، اور جو اپنی آخری تحلیل مین الم ہے، تحقیقِ حق، انقباض تشکک یا دردِ شعور کا دوسرا نام ہے، ایثار، عملِ خیر کی جان ہے، اور حسن کی قدر، ہجر و فراق کے دم سے ہے،

(باقی)

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن پر پندرہ فی صدی، اور دوسری مطبوعات پر بیس فی صدی کر دیا گیا ہے اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

فتاوی عالمگیری

کے

دو سندھی مولفین اور ان کے اجداد

از

جناب سید حسام الدین صاحب راشدی السندی

دسمبر ۱۹۴۶ء اور جنوری ۱۹۴۷ء کے معارف میں "فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں سندھ کے دو بزرگوں سید نظام الدین ٹھٹھوی اور قاضی ابوالخیر ٹھٹوی کے نام بھی لئے گئے ہیں، جن کو فتاوی عالمگیری کے مؤلفین میں شمولیت کا شرف حاصل ہے؛

صاحب مضمون نے ان دونوں حضرات کے سلسلہ میں تذکرۂ علماے ہند مصنفہ مولانا رحمان علی کو اپنا ماخذ بنایا ہے، جس میں دو سطروں سے زیادہ اُن کے سوانح حیات موجود نہیں، ذیل میں ان دونوں بزرگوں کے متعلق مزید معلومات پیش ہیں،

(۱) سید نظام الدین ٹھٹھوی

نسب سید صاحب کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے :-

سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید نظام الدین اول بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین والاسلام عرف سید جادم اول بن قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین بن سید نعمت اللہ بن سید عرب شاہ بن سید امیر نسیم الدین محمد المعروف بہ میرک شاہ بن امیر عطاء اللہ جمال الدین

المحدث بن سید فضل اللہ بن سید میر عبد الرحمن بن سید عبد اللطیف الحسینی الاشکی الشیرازی،

وطن اُن کے اجداد شیراز میں رہتے تھے، بعد میں ہرات میں رہنے لگے، جہان سے قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین ۹۰۲ھ میں قندھار تشریف لائے،

سندھ میں آمد قاضی سید شکر اللہ قندھار میں ۲۱ برس تک رہے، اس کے بعد مرزا شاہ بیگ ارغون کے ایماء سے بسلسلۂ تجارت ۹۲۷ھ میں سندھ آئے، اور ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کرلی، وہ صاحب علم وفضل ہونے کے علاوہ بڑے متقی اور دیندار تھے، مرزا شاہ بیگ کے بعد جب مرزا شاہ حسن ارغون سریر آرائے سلطنت ہوا اس وقت قاضی صاحب کو ٹھٹھہ کی مسند قضا پر فائز کیا گیا،

ایک دفعہ شاہ حسن نے چند تاجروں سے کچھ گھوڑے خرید کئے، اور قیمت دینے میں جان بوجھ کر اتنا تساہل کیا کہ تاجر مایوس ہوکر قاضی سید شکر اللہ کی عدالت میں دعویدار ہوے، قاضی نے بادشاہ کو بحیثیت مدعا علیہ کے عدالت میں طلب کیا، اور جب وہ آیا، تو اس کو مدعیوں کے مقابل بیٹھنے کا اشارہ کیا، دعوے کی مسل پیش ہوئی، بادشاہ نے دعوے کی صحت کا اقرار کیا، اور مدعیوں کو رقم دے کر راضی کرلیا، اس کے بعد قاضی موصوف مسند سے اُٹھے اور آگے بڑھکر آداب سلطنت بجالائے، اور بادشاہ کو اپنی مسند پر لاکر بٹھایا، مرزا شاہ حسن نے اپنی قبا میں چھپائی ہوئی ننگی تلوار نکال کر قاضی صاحب کے سامنے رکھدی اور کہا کہ اگر آج آپ فیصلے سے پہلے آداب سلطنت کو بجالاتے، اور میرے درجے کو ملحوظ رکھکر مجھے مدعیوں کے ساتھ نہ بٹھاتے تو اس تلوار سے آپ کا سر قلم کردیتا، کچھ عرصہ کے بعد سید صاحب نے استعفاً دیدیا، اور شاہ حسن نے محمد اوچی کو بلاکر اُن کی جگہ مقرر کیا، جن کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ

"قاضی شیخ محمد اُچہ منسوب بآل جعفر از مشاہیر علماے زمانہ است نخست از ہرات باُچہ رسیدبود، در عہد جام نظام الدین چون سید میران محمد مہدی جونپوری وارد ٹھٹھہ گردیدہ وعلماے زمان برو نسبت تکفیر بستند، نام بردہ کہ معنی رہبے داشت و مقامات اہل حال مطلع بود، حجت اہل ظاہر رد

درتکفیر آن ولی اکمل بود، لایق رونمود، سید میران بحالش متوجہ گردیدہ دعاے بالش بزرگی و دوام آثار ستر گی باولادش کرد، از آنست کہ خاندان آن بزرگ بوجود حوادث مشتے ہرگز انقلاب ندید نمی شود، بالجملہ قاضی معزاللہ بعد ہجرت اوچہ و ملتان بکھر متوطن گردیدہ، بنا بر کثرت شہرت منسوب باچہ ماندہ، وقتے کہ قاضی سید شکراللہ شیرازی استعفار خدمت قضا ٹھٹھ چنانچہ سبق ذکر یافتہ، درخواست مرزا شاہ حسن حسب تجویز قاضی میر مذکور کہ در وطن قدیم ہرات ہم از اسلاف رابطۂ خاص داشتہ و باحیاء آن رابطہ اینجا نیز قرب مقابرہ پیوند صورت یاب گردید دیراطلبیدہ بآن منصب جلیل القدر مختص فرمود، بہ برکت قدم نجابخش و دعاے میران سید مہدی جونپوری آن منصب بتوارث وقف اولادش است، در ابتداے حکومت میرزا عیسیٰ ترخان اجل حیاتش در نوردیدہ شد، دو پسر والا گہر از مخلف ماندند"[1]

اس کے بعد آپ کی اولاد کا تذکرہ ہے،

اجداد سید شکراللہ نے ٹھٹھ کے ایک انصاری خاندان سے شادی کی، جس سے سید ظہیرالدین پیدا ہوئے، سید ظہیرالدین کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام رقمطراز ہے کہ :۔

"قائم مقام پدر بزرگوار گردیدہ، فضیلت و حکمت نیک اندوختہ، ظاہرش بہ تقوی و تشرع و تدریس و باطن بہ سلوک راہ فقر و سبیل سنت اجداد مصروف بود"[2]

تاریخ ظاہری کا مصنف ان کو اس طرح یاد کرتا ہے :۔

"گوہر بحر عزت و سیادت، درمعدن بلاغت و فصاحت، جامع العلوم موشگاف معانی میر ظہیرالدین"[3]

آپکے دو فرزند ہوئے ایک سید شکراللہ ثانی، دوسرے سید عبدالرحمٰن، سید شکراللہ کے متعلق

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی ص ۶۱۵، [2] ص ۵۴۳ [3] ظاہری قلمی صفحہ ۱۱،

تحفۃ الکرام مین ہے :۔

"با وصف جد و پدر متصف برآمدہ نامدار روزگار زیست"

انھون نے ایک مسجد بھی بطور یادگار اپنے محلہ مین بنوائی، اُن کے چار بیٹے ہوئے، سید محمد حسن، سید نور محمد، میر سید ظہیرالدین خادم ثانی، سید لطف اللہ، سید نور محمد کے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام مین ہے کہ

"در وقت خود منظر اتم علم و عرفان و مرجع اکمل دین و ایقان زیستہ"

ایک فرزند ہوا سید نظام الدین اول جو کہ بقول تحفۃ الکرام :۔

"در مناظم فضل و کمال، اوفق اہل حال و قال گذشتہ"

ان کے چار بیٹے ہوئے، سید نعمت اللہ، سید نور محمد ثانی، سید فضل اللہ اور سید محمد شفیع،

سید نظام الدین ثانی سید نور محمد ثانی کے دو فرزند ہوئے، سید ابوالقاسم اور سید نظام الدین ثانی یہی سید نظام الدین ثانی فتاوی عالمگیری کے مولفین مین سے ہین، میر علی شیر قانع ان کے متعلق لکھتے ہین کہ

"سید نظام الدین ثانی در فقہ اوفق انام در علوم اعظم کرام برآمدہ بجذبہ طبع گرائیدہ، سوے جہان آباد شدہ، در فتاوی عالمگیری بساتھ کل سائر علماء کردہ، از نظر بادشاہ بگذشت و استدعاے منصب کرد، بادشاہ مطابق ضابطہ کہ اہل فضل را باسم نوکری نخوانندی ازان آبا فرمودہ تکلیف قبول معاش نمودہ سید رضانہ دادہ عن قریب آنجا سفر آخرت گزید"[1]

آپ کی اولاد ان کے دو فرزند ہوئے، ایک سید عرب شاہ دوسرے سید احمد، سید عرب شاہ آخری زمانے مین مجذوب ہوگئے، اور کوئی اولاد نہین چھوڑی، سید احمد کے ایک بیٹا سید عطاراللہ ہوا، جس نے شادی کی اور صاحب اولاد بھی ہوا، لیکن عین جوانی مین یہ بھی مجذوب ہوگئے،

اجداد ان کے اجداد مین امیر نسیم الدین اور عطاراللہ جمال الدین نیز اُن کے عم بزرگوار میر اصیل الدین

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی صفحہ ۵۴۳،

کا تذکرہ قاضی نور اللہ شوستری نے حبیب السیر کے حوالہ سے مجالس المومنین میں کیا ہے، نیز روضۃ الصفا اور ہفت اقلیم وغیرہ میں بھی ان کا تذکرہ آیا ہے، صاحب تحفۃ الکرام نے دوسری جلد میں انہی حوالوں سے ان کے حالات بیان کئے ہیں،

(۱) امیر جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المحدث الاسکنی الشیرازی سید نظام الدین ثانی کے بارہویں جد ہیں، ان کے متعلق تحفۃ الکرام میں مرقوم ہے کہ

"عم گرامی صرف تتبع وحفظ اقوال و افعال ہدایت مال نمودہ، فنون عقلیہ را از علوم شرعیہ حلۂ ترتیب و تدوین پوشانیدہ، جواہر و لآلی حدیث مصطفویہ را با نامل تقیفا در سلک انتظام داد، و صحاح و حسان سخنان عالمگیرش، تحفۃ الاحبا، و ریاض السیر و روضۃ الاحباب است"[۱]

حبیب السیر کے حوالہ سے آگے چل کر لکھتا ہے، کہ

"آنحضرت مانند عم بزرگوار امیر اصیل الدین در علم حدیث بے نظیر آفاق گشتہ، در سائر علوم دینیہ و یقینیہ از محدثان باستحقاق درگذشتہ، شاگرد عم خود است، چند سال در مدرسۂ شریفیہ سلطانیہ در گنبدے کہ در دو مقبرہ حضرت خاقان منصور است، و در خانقاہے خلاصیہ بدرس و افادہ اشتغال داشتہ در ہفتہ یک نوبت در جامع ہرات بوعظ می پرداختی، سلاطین و حکام تعظیمش واجب دانستندی"[۲]

ہفت اقلیم میں امین رازی لکھتے ہیں کہ

"برادر زادہ سید اصیل الدین عبد اللہ است دی در عصر خود ملاذ طوائف اکابر و اشراف انام بودہ، لوح ضمیر تنویرش مطرح اشعۂ انوار اسرار کتب الٰہی و صحیفۂ مہر خاطر عالی، مآثرش مہبط لوامع حقائق اخبار حضرت رسالت پناہے است"

۱؎ تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی، ص ۸ ۲؎ تحفۃ الکرام جلد دوم ر ر ص ۸،

زبانش مظہر اسرار تحقیق	ضمیرش مظہر انوار توفیق
جمال دین مزین ز اہتمامش	علوم شرع واضح از کلامش

از مولفات فصاحت صفاتش روضۃ الاحباب در اقطار آفاق اشتہار دارد"[۱]

(۲) امیر نسیم الدین، امیر جمال الدین کے بیٹے اور سید نظام الدین کی گیارہویں پشت میں جد تھے، اُن کے لئے تحفۃ الکرام میں ہے، کہ

"در تکمیل علوم سیما حدیث یگانہ زمانہ بود، موجب تعیین سلطان در مقبرہ مذکور قائم مقام پدر بزرگوار بود، خلف رشیدش سید عرب شاہ بجائے آبا نیک جاگرم کردہ، بعد از و پسرش سید نعمت اللہ باوصاف آبا متصف زیستہ، از و سید وجیہ الدین یادگار و قائم مقام ماندہ فرزند رشیدش قاضی سید شکر اللہ کہ در مجلد ثالث میان احوال ٹھٹھ مذکور گردد"[۲]

یہی قاضی سید شکر اللہ شیرازی تھے، جو ۹۰۶ھ میں ہرات سے قندھار آئے، اور ۹۲۷ھ میں قندھار سے سندھ میں تشریف لائے،

۳- امیر جمال الدین عطاء اللہ کے عم بزرگوار السید الجلیل امیر اصیل الدین عبد اللہ الحسینی الاسکی الشیرازی کے سلسلے میں تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در علم تفسیر و حدیث وانشاء و تالیف شبیہ و نظیر نداشت، در زمان سلطان ابو سعید از شیراز بہ ہرات تشریف آوردہ ہر ہفتہ یک نوبت در مدرسۂ مہد علیا گوہر شاد آغا بوعظ خلق می پرداخت، در ماہ ربیع الاول بر بیان میلاد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت نمودہ از مؤلفاتش شرح درج الدرر بر سیر سنیۂ خیر البشر و رسالہ مزارات ہرات مشہور ہفدہم ربیع الآخر سنہ ثلث و ثمانمایۃ وفات کردہ، دو گوہر نامدار مانند صفی الدین محمد و برہان الدین محمد"[۳]

۱؎ ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۶۱ ۲؎ تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی ص ۷ ۳؎ ایضاً ص ۷،

صاحب موصوف ہی کے متعلق صاحب ہفت اقلیم لکھتے ہیں کہ

"بصفتِ اصالت و وفور جلالت موصوف و معروف بودہ، در علم حدیث و تفسیر شبیہ و نظیر نداشتہ، در زمان سلطان ابوسعید از شیراز بہ ہرات تشریف بردہ اقامت فرمودہ و باشارۂ آن بادشاہ ہفتہ یک نوبت زبان بوعظ و نصائح می کشود، از مولفاتش کتاب افادات اثر، درج الدرر کہ محتوی است بہ سیر سید خیر البشر و رسالہ مزارات ہرات بین الجمہور مشہور است"[1]

اس خانوادہ کے اور بھی چند حضرات کا تذکرہ ہفت اقلیم اور تحفۃ الکرام میں آیا ہے، میر اصیل الدین کے ابن عم سید الحکماء المدققین امیر صدر الدین محمد الشیرازی کے متعلق ہفت اقلیم میں آیا ہے کہ

"بجودتِ طبع و دقتِ ذہن از جمیع علمائے متبحرین و فضلائے متاخرین ممتاز و مستثنی بودہ چہ در اندک زمانے از شغل استفادہ فراغت حاصل کردہ آغاز درس و افادہ فرمود، بعد ازان ہمت بر تالیف و تصنیف گماشت رسالہ تحقیق علم و اثبات واجب حاشیہ شمسیہ و مطالع و حاشیہ تجرید را در سلک تحریر کشید، وفاتش بعد از فوت سلطان یعقوب در اندک زمانے اتفاق داد"[2]

تحفۃ الکرام بھی تقریباً انہی الفاظ میں رقمطراز ہے[3]

امیر صدر الدین کے فرزند خاتم الحکماء غوث العلماء امیر غیاث الدین منصور شیرازی کے لئے ہفت اقلیم لکھتا ہے کہ

"بر توآن فرو شرآن شجر است، بعد از پدر بہ وفور علم و دانش بر وسادہ فضیلت تکیہ زدہ صیت معارفش در علوم حکمی و ریاضی بمسامع علمائے نزدیک و دور رسید و صدائے دانشش

[1] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۶۱ [2] ایضاً ص ۲۵۹ [3] تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۷۱

باطراف و اکناف آفاق اُفتادہ بین الجمہور مشہور گردید"

وصف خورشید از نگوید ہوشمند

فیض نور او بود مدحش پسند

چون فضلائے روات الاستاد البشر و عقل حادی عشر خواندہ اند، ہرآئینہ تاریخ فوتش را مولانا علی حسن

عقل حادی عشر نماندہ بجا ... یافتہ[1]"

تحفۃ الکرام میں اس سے زیادہ تفصیل ہے،

"ولادتش تسعمائہ در خدمت پدر بزرگوار امیر صدر الدین محمد مذکور تحصیل علوم نمودہ، در چہار سالگی داعیہ مناظرہ علامہ دوانی در خود یافتہ وسائل جست، در بیست سالگی از ضبط جمیع علوم فارغ گردیدہ، مدتے منصب صدارت بادشاہی مغفور بوے متعلق بود، در مرتبہ ثانی کہ مجتہد الزمانی شیخ علی بن عبد العالی از عراق عرب متوجہ پایہ سریر خلافت شد، بعضے مفسدان نقار بمیان آوردند تا مباحثہ علمی ممہد گردید و بخشونت انجامید، بادشاہ حمایت مجتہد الزمانی کردہ میر برنجیدند و بعد روزے چند از منصب صدارت استعفا نمودہ جانب شیراز شدند، و در سنہ ثمان و اربعین و تسعمائۃ فوت یافتہ"[2]

تحفۃ الکرام میں حبیب السیر کے حوالے سے اُن کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست درج کی گئی ہے:-

"صاحب حبیب السیر گفتہ کہ از مصنفاتش انچہ بہ نظر رسیدہ، کتاب حجۃ الکلام ہست در انجا متوجہ اقاویل حجۃ الاسلام غزالی شدہ، دیگر کتاب محاکمات میان تحریرین علیین والد خود

[1] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۵۹، و ۲۶۰ [2] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص ۴۲

میر صدر الدین محمد و ملا جلال الدین محمد دوانی و حواشی ایشان بر شرح تجرید مطالع، دیگر محاکمات
میان ایشان در حواشی اوائل شرح مختصر اصول عضدی، دیگر شرح بر کتاب ہیاکل انوار،
دیگر شرح بر رسالۂ اثبات واجب پدر خود، و کتاب تعدیل المیزان بر منطق کہ خلاصہ منطق شفا است
باسواے طبع نقاد ایشان و کتاب معیار الافکار خلاصہ تعدیل المیزان و کتاب لوامع و معارج
در علم ہیئات کہ در محاذات کتاب تحفۂ شاہی است، و آنرا در ہفدہ سالگی تصنیف فرمودہ،
دیگر کتاب تجرید بر حکمت کہ جمیع مسائل حکمت طبیعی و الٰہی را بعبارت موجزہ
مجرد از دلائل ذکر فرمودہ، دیگر رسالہ در معرفت قبلہ، دیگر کتاب
معالم الشفاء در طب، دیگر مختصر آن کہ مسمی بشافیہ است، دیگر کتاب سفرویہ در ہیئات
دیگر حاشیہ بر الٰہیات شفا، دیگر حاشیہ بر اشارات، دیگر حاشیہ بر شرح حکمت العین، دیگر رسالہ
در باب خلافت فرزند ارجمند میر صدر الدین محمد، دیگر رد بر حاشیہ شمسیہ علامہ دوانی، دیگر رد بر حاشیہ
خلاصۃ التلخیص، دیگر رد بر حاشیہ تہذیب المعزالیہ دیگر رد بر انموذج مشارٌ الیہ، دیگر رسالہ
در تحقیق جہات، دیگر رد بر رسالہ زوراء مشار الیہ، دیگر رسالہ مشارق در اثبات واجب،
کتاب اخلاق منصوری، دیگر حاشیہ بر اوائل کشاف تفسیر سورہ، دیگر کتاب مقامات العارفین
در تصوف و اخلاق کہ باسم فرزند ارجمند میر شرف الدین علی نوشتہ، و رسالہ قانون السلطنت
سوائے آن از تصانیفش آنچہ در کتب ایشان بتقریبے اسامی مذکور و بعضی علما از آن خبر دادہ
کتاب ریاض الرضوان و کتاب اساس در علم ہندسہ و غیر آن،

صاحب حبیب السیر نوشتہ کہ غرض از تفصیل تصانیف حضرت امیر و اظہار تشرف بمطالعہ
اکثر آن رد کلام بعضے از افاضل عصر است، مثل ملا ابو الحسن کاشی، و ملا میرزا جان شیرازی
کہ مصنفات حضرت میرزا کہ اکثر بواسطہ نفاست متداول نشدہ بودند، بدست ہر کہ می افتاد

سخنان خوب را از آنجا می دزدیدند و می گفتند کہ از میرزا غیر ما نیست، و بعضے کتب کہ در مصنفات
متداولہ خود نام آن را مذکور ساختہ اند، وجود خارجی نیافتہ اند و اگر احیاناً یکے از آن کتاب بدست
طالب علمے افتاد و بدزدی ایشان مطلع شد، دعوای توارد می کنند و از حضرت استاذ تحریر
رحمہ اللہ شنیدہ کہ می فرمودند، ملا ابو الحسن شش دلیل از جملہ ادلہ کہ در رسالہ اثبات واجب
کردہ، و آن را خواص فکر خود شمردی، از شرح ہیاکل حضرت امیر انتحال نمودہ بود و در
ایامے کہ بالتماس بعض اعزہ وے رسالہ او می نوشتم اظہار سرقہ و انتحال او نمودم آن رسالہ
متروک ساختہ، رسالۂ دیگر تالیف نمود، آن نیز خالی از سرقہ نیست، از اثر مہارت میر در فنون ادعیہ
و طلسمات قتل ذوالفقار خان حاکم بغداد است کہ بادشاہ دین پناہ بنجی بی مزید تفصیل آن
بر السنہ جمہور مذکور و مجملے از آن در رسالہ قانون السلطنت مسطور، [1]

ان کے دو فرزند ہوئے ایک سید شریف الدین، دوسرے میر صدر الدین، اس خانوادہ کے دو
اور بزرگوں کا بھی تحفۃ الکرام میں ذکر آیا ہے، یعنی میر نظام الدین احمد و میر حبیب اللہ، یہ دونوں حضرات
بھی علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے،

سادات شکر اللٰہی | قاضی سید شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھہ میں سادات شکر اللٰہی
شیرازی کے نام سے موسوم ہوا، اسی خانوادہ کے تقریباً تمام افراد علم و فضل، نیز دینی مرتبے کی وجہ سے
یگانۂ روزگار ہوتے آئے ہیں، آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے میں آباد ہے،

اس موقع پر میں اس خاندان کے چند اور بزرگوں کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں، تاکہ اندازہ
ہو جائے کہ اس خاندان کے مختلف افراد نے سندھ میں آنے کے بعد علم، ادب اور مذہب کی کیا کیا
خدمتیں انجام دیں،

---

[1] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص ۲،۷،۳،

سیدشاہ ولی | بن سید ابوالقاسم بن سید علی اکبر بن سید عبدالواسع بن سید محمد حسین بن سید شکر اللہ ثانی، علامہ مخدوم رحمۃ اللہ جیسے یگانۂ روزگار کے شاگرد تھے، اور بقول صاحب تحفۃ الکرام:-

"در املا و انشا، و شعر، طبیعت صافی و قریحت کافی داشت"[1]

صاحب تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء میں آپ کا ذکر یون فرماتے ہین :-

"بفنون کمالات علمی آراستہ و حلۂ تورع و تقوی پیراستہ اوقات با برکاتش صرف مطالعۂ کتب و افادۂ تلامذہ می بودہ، بر جادۂ اسلاف مستقیم و میان سادات بہ بزرگی موصوف و بہ حسن خلق و فرط متانت نزد اکابر و اصاغر معروف"[2]

صاحب موصوف نے تحفۃ المجالس کے نام سے ایک تصنیف بھی چھوڑی ہے شوال المکرم ۱۱۵۰ھ کی ۱۳ تاریخ کو رات کے وقت اپنی جاگیر حکبت پور تعلقہ اکرالہ (سندھ) مین وفات پائی، نعش وہان سے لاکر ۱۵ تاریخ کو اُن کے آبائی قبرستان مین دفن کی گئی، اُن کے ایک شاگرد لطف اللہ نے "قد فات فی غشفہ" سے تاریخ وفات نکالی ہے، مقالات الشعراء مین اُن کے دو فارسی شعر بھی نمونہ کے طور پر دئیے گئے ہین، تذکرہ علمائے ہند مین بھی ۲۵۰ صفحہ پر ان کا ذکر آیا ہے، اُن کے دو فرزند ہوئے، ایک سید محمد ناصر، دوسرے سید محمد سراج الدین،

میر سراج الدین | میر سراج الدین بھی بہت اچھے شاعر ہوئے ہین، تاریخ گوئی مین ان کو خاص دستگاہ حاصل تھی، تحفۃ الکرام مین درج ہے، کہ

"با وصاف اسلافش متصف جانشین و یادگار بزرگان است، بہ محامد اخلاق موصوف مشارالیہ سائما و لا و جد می باشد، طبیعت شعر دارد و در استخراج تواریخ نیکو مہارت می نماید"[3]

سید غلام اولیا | بن سید عنایت اللہ بن سید اسد اللہ بن سید عنایت اللہ بن سید عبدالرحمن بن سید

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۵۵، مطبوعہ بمبئی [2] مقالات الشعراء قلمی ورق ۳۱۳ [3] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی جلد ۳ ص ۱۹۶

ظہیر الدین والاسلام عرف میر جادم بن سید شکر اللہ اول بہت بڑے بزرگ اور اہلِ دل گذرے ہین، اُن کے متعلق تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در عین جوانی بتحصیل علوم ظاہر و باطن متوجہ شدہ بہ اتقا و تورع درجۂ علیا فراندوختہ... صاحب خوارق کلیہ برآمدہ، مجرد در عین رشد جہان فانی را پدرود کردہ، جماعۂ مخصوصۂ از تلامذہ مانند اہلبیت و یکم ہر ماہ مطابق روز وفاتش مجمع ارادت مندیہ یادش ختم و اطعام بعمل آوردہ و کشف مہمات می نمایند"[1]

سید محمد ناصر | بن سید عطاء اللہ بن سید نعمت اللہ بن سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین بن سید قاضی شکر اللہ اول، زہد و تقوی مین "اعجوبۂ روزگار" تھے، تحفۃ الکرام مین ہے کہ انھون نے زندگی بھر کسی عورت کا منہ نہین دیکھا، اس حد تک معصوم تھے، کہ جانورون مین بھی نر و مادہ کی تمیز نہین تھی، سلسلۂ نقشبندیہ مین وہ کامل تھے، اور عقیدت مندون کی بہت کثرت تھی، جن کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے،

ایک دفعہ ٹھٹھ مین خشک سالی ہوئی، لوگ بہت پریشان ہوئے، مزارات اور مقابر پر جاکر دعائین مانگنے لگے، کسی صاحب کو خواب مین بشارت ہوئی، کہ جس شخص نے کبھی عورت کا منہ نہ دیکھا ہو اسے نماز استسقاء پڑھانی چاہئے تاکہ بارانِ رحمت کا نزول ہو، لوگ اُن کے پاس آئے، والدۂ محترمہ کے ارشاد سے انھون نے تین دن تک نماز پڑھائی، اور دعائین مانگین، تا آنکہ ابرِ رحمت جوش مین آیا، اور گوہرِ مقصود حاصل ہوا،

سید نظام الدین کے جد دوم یعنی سید نور محمد کے دوسرے بھائی سید ظہیر الدین جادم ثانی کی اولاد مین بھی بہت سے اہلِ کمال پیدا ہوئے،

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۹۶، مطبوعہ

سید محمد کاظم | بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی کے متعلق تحفۃ الکرام مین ہے کہ

"عجائب احوالات داشتہ احیاناً دو، دو، سہ، سہ، روز وشب درخواب کہ عین بیداری توان

انگاشت، بخلوت بودی، و ذکر قلبی، از مردم مسموع کردی، آخر با خود با فاقہ رسیدے، ہم چنین

کمالات دیگر داشت، از احصار افزون باشد"[1]

صاحب تحفۃ الکرام | میر سید علی شیر بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین بھی اسی سلسلۂ عالیہ کے ایک جوہر تابندہ اور گوہر درخشندہ تھے، تحفۃ الکرام، مقالات الشعراء اور کئی دیگر تصانیف انھون نے یادگار چھوڑی ہین، اگر وہ تحفۃ الکرام، اور مقالات الشعراء نہ لکھتے تو آج سندھ کی سیاسی اور ادبی تاریخ سے ہم قطعی نابلد رہتے،

میر عظیم الدین | اس خانوادہ کی ایک اور عظیم شخصیت میر عظیم الدین نام کی ہے، جس کا سلسلہ یون ہے، سید عظیم الدین بن سید یار محمد بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی یہ بھی ایک بلند پایہ شاعر و ادیب تھے، ایک دیوان، ایک مثنوی میر رانجھا، اور ایک منظوم تاریخ موسوم بہ فتح نامہ ان کی یادگار ہین،

غرض سید نظام الدین مؤلف فتاوی عالمگیری کا تمام خاندان شیراز، ہرات اور قندھار سے لے کر سندھ تک کئی صدی برابر علم وفضل کے دریا بہاتا، اور دین کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا،

(۲) قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی

سید نظام الدین کے بعد فتاوی عالمگیری کے مؤلفین مین قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی کا نام آتا ہے، یہ بزرگ بھی سندھ کے مشہور مردم خیز اور تاریخی شہر ٹھٹھہ کے باشندے تھے، یہ ٹھٹھہ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی ص ۵۵۶؛

مین ہے کہ

"جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محل زہد و ورع و تقوی بودہ، ہموارہ بدرس علامہ اشتغال ورزیدی"[1]

تاریخ معصومی[2]، اور مآثر رحیمی[3] مین بھی تھوڑے سے تغیر وتبدل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے، وہ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے، ان کے فرزند مخدوم ابوالخیر کے لئے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے کہ

"در زمانہ خویش طالب علم کامل برآمدہ، در فتاوی عالمگیری شریک استنباط مسائل شد"[4]

ان کے ایک فرزند ہوا ملا اسحاق جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھا، ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا، جس کے کوئی اولاد نہین ہوئی،

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی ص ۶۲۰ [2] معصومی ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ صفحہ ۲۱۱ [3] مآثر رحیمی، ۳۲۰ بنگال [4] تحفۃ الکرام قلمی، صفحہ ۶۲۳

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۴)

شیخ محی الدین ابن عربی نے خشوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ اوپر نقل کیا جاچکا ہے، ان کے علاوہ اور دوسرے متاخرین علما، صوفیہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں خشوع پر بحث کی ہے، لیکن ان کے بیانات میں زیادہ تر متقدمین ہی کے اقوال کا اعادہ یا انہی کی تعبیرات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے ہم ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہیں، البتہ ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے ایک چھوٹا سا رسالہ "الخشوع فی الصلوٰۃ" لکھا ہے، جس میں کچھ نئی باتیں بھی ملتی ہیں، اس لئے اس رسالہ کا جستہ جستہ کچھ حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

یہ رسالہ نظر سے اس وقت گذرا جب مضمون کی پہلی قسط پریس میں جاچکی تھی، اس لئے بعض ایسی چیزیں جنھیں مضمون کی ترتیب کے لحاظ سے مقدم ہونا چاہئے تھا، ہمیں موخر کرنی پڑیں، مگر بہر نوع مقصود استفادہ ہے، جس کے لئے تقدیم و تاخیر کوئی ضروری شرط نہیں، یہ کیفیت کس طرح پیدا ہوتی ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

"وہ خشوع جو قلب میں پیدا ہوتا ہے، اس کا ذریعہ ذاتِ الٰہی کی معرفت اس کی عظمت اور اس کے جلال و کمال کا عرفان ہے، پس جسے جتنی ہی یہ معرفت حاصل ہوگی،

وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی خاشع ہوگا"

لیکن جن لوگوں کو یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے، یہ ضروری نہیں ہے، کہ ان میں سے ہر شخص کا حال یکساں ہو، اس لئے کہ خدا کے جن صفات کے تصور سے قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ صفتیں مختلف ہیں، اب ان میں سے قلب کو جس صفت کا مشاہدہ اور عرفان زیادہ ہوگا، اس کے اوپر اسی صفت کا عکس زیادہ نمایاں ہوگا، چنانچہ اس تمہید کے بعد لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں میں خشوع اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کہ وہ یہ قوت مطالعہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے بالکل قریب ہے، اور اس کے ہر بھید اور راز کی اطلاع رکھتا ہے (اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا مطالعہ اس سے شرم و حیا اور (بندہ کے) تمام حرکات و سکنات میں اس کی دیکھ بھال رکھنے (کے تصور پیدا کرنے) کا باعث ہوتا ہے،

اور بعضوں میں خشوع اس کی صفت جمال و کمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے، جس کا تقاضا ہے، کہ اس کی محبت میں محویت اور اس کی ملاقات و دیدار کا شوق پیدا ہو،

"بعضوں میں خشوع کا باعث اس کے قہر و غضب اور جزا و سزا کا تصور ہوتا ہے، جس کا تقاضا ہوتا ہے، کہ اس سے خوف و دہشت پیدا ہو،

اسی اختلاف حال ہی کی وجہ سے مختلف علما، و صوفیہ نے خشوع کی مختلف تعبیریں کی ہیں، ورنہ مآل و نتیجہ کے اعتبار سے سب کی تعبیرات کا مقصد ایک ہی ہے،

یہ بحث تمام کرنے کے بعد قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی میں خشوع کی عمومی تشریح اور "خشوع فی الصلوٰۃ" (نماز میں خشوع) کی اہمیت و فضیلت بیان کی ہے، اور آخر میں بہت ہی تفصیلی طور سے نماز کے ان ارکان و آداب اور مواقع کو بتایا ہے، جہاں پر خشوع کا اظہار بہت ضروری ہے، مثلاً قیام، رکوع، سجدہ اور دعا وغیرہ، مضمون طویل ہوتا جارہا ہے، اس لئے ہم صرف انہی اشارات پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں،

نماز میں خشوع مستحب ہے یا واجب؟ نماز اور نماز کے علاوہ ہر شرعی کام میں کیفیتِ خشوع کی موجودگی اور اس کی اہمیت و فضیلت پر تمام محدثین، فقہاء اور صوفیہ کا اتفاق ہے، لیکن نماز میں فقہی تقسیم فرض اور واجب اور مستحب کے لحاظ سے اس کو کون سا درجہ حاصل ہے، اور بغیر خشوع کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کیا جائیگا یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے،

عام فقہا و محدثین تو خشوع کے استحاب ہی کے قائل ہیں، لیکن بعض علماء اور متکلمین کا رجحان اس کے وجوب[1] کی طرف ہے، ہم دونوں کے بیانات اور دلائل نقل کرنے کے بعد ان میں تطبیق دینے کی کوشش کریں گے،

جو لوگ استحاب کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں، کہ

(۱) جس طرح ہم منافق و ریاکار کی نماز کو باطل قرار نہیں دیتے، بلکہ سب متفق طور سے کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے فرض ادا ہو گیا، اور وہ شرعی تعزیر کا مورد نہیں رہا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان خشوع و خضوع اور حضور قلب کے بغیر نماز پڑھے، تو بدرجۂ اولیٰ اس کی نماز کو فاسد نہیں قرار دیا جا سکتا، اور نہ اس کو تارک صلوٰۃ قرار دے کر سزا دیجا سکتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ نماز عند اللہ مقبول ہوگی یا نہیں ہم اس کے مکلف نہیں ہیں،

(۲) حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو شیطان اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے اور برے برے خیالات ڈالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس . . . . . . آدمی کو یہ یاد نہیں رہتا، کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، جب ایسا محسوس ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ سجدۂ سہو کرلے،

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خشوع اور حضور قلب نماز میں مستحب ہے، شرط و واجب نہیں، ورنہ اگر یہ شرط و واجب ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے نہ کہ صرف سجدۂ سہو کا،

---

[1] وجوب بمعنی شرط ہے،

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں، مثلاً ابو طالب مکیؒ، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ وغیرہ، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:-

(۱) قرآن نے اس آیت اقم الصلوٰۃ لذکری میں امر (حکم) کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ نماز ذکر الٰہی کے لئے ہی پڑھنی چاہئے، اور ذکر الٰہی کے لئے حضور قلب ایک ضروری شرط ہے، اب جو غفلت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، وہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے،

(۲) قرآن نے ان آیات وَلَا تَکُنْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ (غافلین میں سے نہ ہو) اور فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ (ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے، جو نماز کے بارے میں سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں) میں نماز کے اندر غفلت، سستی اور عدم حضور سے روکا ہے، اور ایسا کرنیوالوں کے لئے وعید فرمائی ہے، کیونکہ یہ چیزیں خشوع کے منافی ہیں،

(۳) اس آیت الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ (کیا اس وقت نہیں آیا، کہ لوگوں کے دل اللہ کے ذکر کیلئے جھک جائیں) میں ان لوگوں پر مزید وعید کی گئی ہے، جو خشوع و خضوع کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں من جملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا، کہ صحابہ کرام سے خشوع کے خلاف کچھ افعال سرزد ہو گئے تھے، اس پر یہ آیت اتری، اگر خشوع نماز میں کوئی ضروری شرط نہ ہوتی، تو یہ وعیدیں کیوں کیجاتیں؟

(۴) حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یتخشع (جس کی نماز خشوع سے خالی ہے، اس کی نماز کچھ نہیں ہے) میں صاف طور سے اس نماز کو جو خشوع سے خالی ہو بے حقیقت تبلایا گیا ہے،

سفیان ثوری سے منقول ہے من لم یتخشع فسدت صلاتہ (جو نماز خشوع کے ساتھ نہ پڑھے، اس کی نماز فاسد ہے) حسن بصری سے مروی ہے،

کُلُّ صَلٰوۃٍ لَا یَحْضُرُ فِیْھَا الْقَلْبُ ہر وہ نماز جو حضور قلب کے بغیر پڑھی گئی ہو

فھی الی العقوبۃ اسرع، (وہ انعام واکرام کے بجائے) سزا وعقوبت کی
طرف زیادہ تیزی سے لیجانے والی ہے،

نقلی دلائل کے علاوہ اُن کے پاس عقلی وذوقی دلائل بھی ہیں، وہ کہتے ہیں :-
اعضا کی ظاہری حرکت نماز کا جسم اور خشوع اوس کی روح ہے، اور یہ بات ظاہر ہے
کہ بغیر روح کے جسم کا قیام ناممکن ہے،

(۲) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ نماز بندہ کی طرف سے ایک نیاز اور تحفہ ہے، جسے وہ بارگاہ
رب العزت میں پیش کرتا ہے، اس لئے اوسے چاہئے کہ وہ بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرے ورنہ اس کی نماز
اعزاز واکرام کے بجائے عتاب وعقاب کا سبب بن جائے گی،

۳- اللہ تعالیٰ نے ان آیات قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون
میں مومنین کی فلاح اور وراثت جنت کو جن صفات پر معلق ومشروط رکھا ہے، ان میں سے ایک
خشوع بھی ہے،

اگر یہ کوئی بہت ہی اہم صفت نہ ہوتی تو فلاح وصلاح کو ایک ساتھ مشروط کیوں کیا جاتا؟

(۴) امام غزالی فرماتے ہیں، کہ تمام عبادات میں نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں
حضور قلب مع حضور ذہن اور طمانیت وسکون ایک ضروری ولازمی شرط ہے، مثلاً اگر کوئی شخص حضور قلب
کے بغیر بھی زکوٰۃ ادا کردے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اس میں کوئی خرابی نہیں آئیگی،
اسی طرح روزہ و حج بھی، لیکن نماز بغیر اس صفت کے نہیں ادا ہو سکتی، اس لئے کہ نماز میں عبد اپنے معبود
سے ہم کلام ہوتا ہے، اور ہم کلامی قلب وذہن کے حضور وشہود (جس کا دوسرا نام خضوع وخشوع ہے)
کے بغیر ناممکن ہے،

لیکن یہ وجوب واستحباب کا اختلاف بالکل نزاع لفظی کے مرادف ہے، فقہا جو بغیر

خشوع نماز کے جواز کے قائل ہیں، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے بغیر خشوع نماز پڑھی ہے،
وہ قانون کی گرفت سے بری ہو گیا، اب ہم اسے تارک الصلوٰۃ نہیں کہہ سکتے، یہ اور بات ہے کہ اسکی نماز
مقبول ہوئی یا نہیں، یا اوسے اس کا اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو لوگ اوس کے
وجوب کے قائل ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خشوع جو روح صلوٰۃ ہے، اگر نماز میں وہ روح ہی مفقود ہے
تو گو وہ قانون کی رو سے نکل جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی اجر وثواب کا مستحق کیسے ٹھہر سکتا ہے،
اور اس بے روح عبادت کو عبادت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ تو دونوں استحباب ووجوب کے قائل
دو حیثیتوں سے ہیں، ایک کے پیش نظر صحت عندالعباد ہے، اور دوسرے کے پیش نظر صحت عنداللہ، اس لئے
مختصر الفاظ میں یہ کہنا چاہئے، کہ خشوع شرط قبولیت ہے، شرط جواز نہیں،

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

(۲) مال و اولاد فتنہ ہے :-

۱- یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَخُوْنُوا	اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت
اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِکُمْ	نہ کرو، اور دانستہ اپنی امانتوں میں خیانت
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا	نہ کرو، اور یقین مانو کہ تمھارا مال اور اولاد
اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَّاَنَّ	فتنہ ہے، اور یہ کہ خداوند تعالیٰ کے یہاں
اللّٰہَ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (انفال ۲۸)	بڑا اجر ہے،
۲- اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ	تمھاری دولت اور اولاد بس تمھارے لئے
وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ	آزمایش کی چیز ہے، اور اللہ کے پاس
(تغابن - ۱۵)	بڑا اجر ہے،
۳- فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا	پس جس وقت انسان کو کوئی تکلیف
ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنَاہُ نِعْمَۃً مِّنَّا قَالَ	پہنچتی ہو، تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم

اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ بَلْ ھِیَ فِتْنَۃٌ	اسے کسی نعمت سے نواز دیتے ہیں، تو کہتا ہے
وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ،	یہ تو مجھے اپنی تدبیر سے ملی ہے، بلکہ وہ
(زمر - ۴۹)	فتنہ ہے، لیکن ان میں سے اکثر اسے نہیں سمجھتے
۴- وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَۃِ	اور یہ کہ اگر وہ لوگ راستہ پر قائم رہتے،
لَاَسْقَیْنٰھُمْ مَّاءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَھُمْ	تو ہم نے ان کو زیادہ سے زیادہ پانی سے
فِیْہِ الآیہ (جن ۱۶، ۱۷)	سیراب کیا ہوتا تاکہ اس میں انھیں آزمائیں
۵- وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا	اور تو اپنی نگاہ ان چیزوں کی طرف نہ ڈال
بِہٖ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ زَھْرَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا	جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں
لِنَفْتِنَھُمْ فِیْہِ وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ	کو متمتع کر رکھا ہے، ان کی آزمایش کے کو
وَّاَبْقٰی،	دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور تیرے
(طٰہٰ - ۱۳۱)	پروردگار کا عطیہ بہتر اور دیرپا ہے،

اوپر جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں مال اور اولاد دونوں کو اور کہیں صرف مال کو فتنہ ٹھہرایا گیا ہے اور یہ پہلو ہر جگہ یہی ہے، کہ ان کی محبت میں غلو حق و صداقت کی راہ سے انحراف کا باعث ہے، اس لئے یہ چیزیں فتنہ ہیں،

(۳) اسلامی جماعت کے خلاف داد و دہش بھی فتنہ ہے،

۱- لَوْ خَرَجُوْا فِیْکُمْ مَّا زَادُوْکُمْ اِلَّا خَبَالًا	اگر وہ تمھارے ساتھ نکلے ہوتے تو سوائے
وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ یَبْغُوْنَکُمُ الْفِتْنَۃَ	اس کے کہ اور دونا فساد کرتے، اور کیا
وَفِیْکُمْ سَمّٰعُوْنَ لَھُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ	ہوتا، اور تمھارے درمیان فتنہ پردازی
بِالظّٰلِمِیْنَ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَۃَ	کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے، اور

من قبل وقلبوا لك الامور حتى جاء الحق وظهر امر الله وهم كارهون،

(توبہ - ۷)

اُن کے کچھ جاسوس موجود ہین، اور ان ظالمون کو اللہ خوب سمجھے گا، انھون نے تو پہلے جنگِ احد وغیرہ مین بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کی کارروائیون کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہان تک کہ سچائی کا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا، اور ان کو ناگوار گزرا،

۲- ولو دخلت عليهم من اقطارها ثم سئلوا الفتنة لاتوها وما تلبثوا بها الا يسيرا،

(احزاب - ۱۴)

اور اگر مدینہ مین اس کے اطراف سے ان پر کوئی آجائے، پھر اُن سے فساد کرنے کی درخواست کرے، تو یہ اسے منظور کرلین گے، اور اس مین ذرا بھی دیر نہ کرین گے،

۳- ستجدون آخرين يريدون ان يامنوكم ويامنوا قومهم كلما ردوا الى الفتنة اركسوا فيها،

(نساء - ۹۱)

بعض ایسے تم کو ملین گے کہ وہ یہ چاہتے ہین کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہین، اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہین، جب کبھی شرارت کی جانب انھین لے جایا جاتا، تو اس مین گر پڑتے ہین،

مندرجہ بالا آیتون مین مخالفین کی ان ریشہ دوانیون کو جو اسلامی جماعت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ عمل مین لاتے تھے، انھین فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ہوتا یہ تھا، کہ جب جہاد کے لئے نفیر ہوتی، تو منافقین خود بھی میدان جنگ مین جانے سے گریز کرتے، اور دوسرے مجاہدین کے سامنے بھی ایسی باتین کرتے کہ اُن کے حوصلے پست ہو جائین، وہ بھی شریک جہاد نہ ہون،

۴- فراوانی مال اور محرومی مال دونون فتنہ ہین،

۱- كل نفس ذائقة الموت ونبلوكم بالشر والخير فتنة والينا ترجعون،

(انبیاء - ۳۵)

ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا، اور ہم تم کو بری بھلی حالت سے آزمایش کے لئے گذارتے ہین، اور ہماری طرف تم پلٹائے جاؤ گے،

مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کبھی مال و دولت سے نواز کر آزماتا ہے، اور کبھی سلبِ نعمت سے امتحان کرتا ہے، کامیاب انسان وہ ہے جو دولت کی ریل پیل کی صورت مین شاکر اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونے کی حالت مین صابر رہے،

(۵) مومن کی بدحالی کافر کے لئے فتنہ ہے،

۱- وكذلك فتنا بعضهم ببعض ليقولوا اهؤلاء من الله عليهم من بيننا اليس الله باعلم بالشاكرين،

(انعام - ۵۳)

اور اسی طرح ہم نے ان مین سے بعض کو بعض سے آزمایا ہے، تاکہ وہ کہین، کیا یہی لوگ ہین جن پر خدا نے ہمارے درمیان سے احسان کے لئے چن لیا ہے، کیا خدا شاکر بندون سے واقف نہین ہے،

۲- وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم لياكلون الطعام ويمشون في الاسواق وجعلنا بعضكم لبعض فتنة اتصبرون وكان ربك بصيرا،

(فرقان - ۲۰)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، سب کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازارون مین بھی چلتے پھرتے تھے، اور ہم نے تم مین سے بعض کو بعض کے لئے آزمایش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا پروردگار دیکھ رہا ہے،

اوپر کی دونون آیتون مین مومنین کی فاقہ مستی کو کفار کے لئے وجہ فتنہ قرار دیا گیا ہے، یہ صورت حال اُن کے لئے وجہ فتنہ اس بنا پر تھی کہ وہ ہر چیز کو مادی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے، جب وہ قرآن پاک کا یہ دعویٰ سنتے، کہ مسلمان ہی کامیاب ہین، اور دوسری طرف ان کی یہ بدحالی دیکھتے تو کہتے یہ ہو نہین سکتا، کہ یہ خدا کے محبوب ہون، حالانکہ محبوبیتِ الٰہی کے لئے فارونیت (خوشحالی) شرط نہین ہو، مگر انھون نے یہی معیار ٹھہرا لیا تھا، اور اسی پر اخروی زندگی مین بھی اپنے کو مسلمانون کے مقابل کامیاب بتاتے،

آیت وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّ لِیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْنٰی (حٰمٓ سجدہ) کا ٹکڑا اُن کی اس ذہنیت کا کھلا ہوا ثبوت ہو،

۲- سلبِ حکومت بھی ایک فتنہ ہو،

۱- وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (صٓ ۳۴)

اور ہم نے سلیمان کو امتحان مین ڈالا، اور ہم نے اُن کے تخت پر دھڑ ڈال دیا، پھر انھون نے رجوع کیا،

ابتلا غایتِ تخلیق ہے، اس سے انبیاء کرام بھی نہین بچے ہین، بلکہ جس طرح ان کے درجے سوا ہین، اُسی طرح اُن کی آزمائشین بھی شدید ہین،

ع جن کے رتبے ہین سوا ان کو سوا مشکل ہے

اور اس منزل سے تمام انبیا گذارے گئے ہین، حضرت سلیمانؑ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے، ان کی آزمائش اس طرح ہوئی، کہ ان کو جو عظیم الشان سلطنت بخشی گئی تھی، وہ اُن سے چھین گئی لیکن اس پر انھون نے جزع فزع نہیں کیا، بلکہ خدا کی جناب میں رجوع کیا، اور ان کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے،

رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

اے پروردگار میرے مناسب حال حکومت بخش، تو بڑا بخشنے والا ہے،

ان سے سلبِ حکومت کے سلسلہ مین جو تفصیل عام طور سے مشہور ہے، وہ صحیح نہین ہے قرآن سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی غلطی پر چھین گئی تھی اس پر انھون نے انابت کی، اور اس کے دوبارہ حاصل ہونے کے لئے دعا کی، جو قبول ہوئی، چنانچہ بعد کی آیتون مین کھلی ہوئی تصریح موجود ہے، سلبِ حکومت انسان کے لئے بہت بڑا امتحان ہے، عام انسان مشکل سے اس کا متحمل ہو سکتا ہے، لیکن حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ سے صبر و ضبط کا دامن نہین چھوٹا، اور اس موقع پر بھی ان کی عقل نے صحیح رہبری کی،

۱۲- عذاب دنیوی سے دوچار ہونے کو بھی فتنہ کہا گیا ہے،

۱- وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ (دخان-۱۷)

اور بلاشبہ ان (مکہ والون) سے پہلے فرعون کی قوم کو ہم نے فتنہ (عذاب) سے دوچار کیا اور ان کے پاس اس سے پہلے خدا کا شریف فرستادہ (موسیٰ) ان کی اصلاح و درستگی کے لئے آچکا تھا، لیکن انھون نے اُسے قبول نہین کیا، بلکہ اُسے جھٹلایا[۱]

۲- وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (مائدہ-۱۰۰)

اور وہ اس زعم مین مبتلا ہو گئے، کہ فتنہ (عذاب) ان پر نہ پھوٹے گا، کہ اس کی زد مین آئین پس اس سے اور وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ اپنی رحمت کیساتھ ان پر لوٹا پھر بھی ان مین سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے

۳- لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ

پیغمبر کے بلاوے کو باہم ایک دوسرے کو پکارنے

[۱] اور عذاب کی زد مین آگئے

[illegible]

کدعاء بعضکم بعضا قد یعلم اللہ
الذین یتسللون منکم لواذا
فلیحذر الذین یخالفون عن امرہٖ
ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم
عذاب الیم،

(نور - ۶۳)

کے درجہ مین نہ ٹھراؤ، خدا تم لوگون مین سے
ان لوگون کو خوب جانتا ہے، جو احکام
رسول کی تعمیل سے بچنے کے لئے آڑ مین
ہو کر کھسک جایا کرتے ہین، ان لوگون
کو جو اس کے حکم سے الگ ہوجایا کرتے ہین،
انہین فتنہ (عذاب) سے دوچار ہونے
یا دردناک عذاب کی زد مین آنے سے
ڈرتے رہنا چاہئے،

اوپر کی آیتون مین سے پہلی آیت مین کفار مکہ کو فرعون کی قوم کی طرح عذاب سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی ہے، اس لئے کہ تکذیب دعوت مین وہ اُن کے نقشِ قدم پر چل رہے ہین، بتعبیر دیگر فرعون اور اس کا جتھا موسیٰؑ کی دعوت حقہ کے جھٹلانے کے سبب تباہ ہوا، اور یہ مکہ والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق و صداقت کے جھٹلانے کے سبب ہلاک ہون گے، اور دوسری آیت مین یہود کے تکذیب رسل اور قتل انبیاء کے جرائم ذکر کرنے کے بعد ان کی ان شرارتون کی وجہ یہ بتائی گئی ہے، کہ اُن کے دلون سے عذابِ الٰہی کا خوف بالکل جاتا رہا تھا، اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے، کہ خواہ ہم جو کچھ کرین ہم پر کسی طرح کی افتاد نہ آئے گی، تیسری آیت مین ان لوگون کو جو حلقۂ اسلام مین داخل ہونے کے باوجود احکامِ الٰہی کی تعمیل سے کاوا کتراتے تھے، اس حرکت پر عذاب پھوٹ پڑنے کی دھمکی دی گئی ہے، دیکھئے مندرجۂ بالا تینون آیتون مین ہر جگہ لفظ "فتنہ" عذاب دنیوی ہی کے مفہوم کو شامل ہے، پہلی جگہ قوم فرعون کو عذاب (دنیا مین) سے دوچار کرنے کے معنی مین اور دوسری جگہ یہود کے دنیوی عذاب سے نڈر اور مطمئن ہونے کے موقع پر اور تیسری جگہ منافقین پر احکامِ الٰہی کی تعمیل مین سہل انکاری کے سبب عذاب آدھمکنے کے مقام مین،

از

جناب مفتی جلال الدین صاحب ایم اے صدر مفتی ریاست کشمیر

عموی المکرم والمعظم :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مین نے آپ کو عم سے خطاب کیا ہے اس لئے کہ میرا ظن غالب ہے کہ آپ قبلہ ام عموی المرحوم قاضی سعد الدین صاحب کے یارِ طریقت و برادر تلمذ ہین، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قاضی صاحب مذکور کے ذریعہ شرف ملاقات حاصل کرچکا ہون، لیکن اس وقت جب کہ مین چھوٹا تھا، اور سنِ تمیز کو نہین پہنچا تھا، اس بات کا فخر حاصل ہے، کہ علامہ مرحوم نے ہمارے غریب خانہ مین اپنی قیمتی اور مقدس عمر مین سے کچھ دن گذارے ہین، اس لئے اس بڑے مکین نے ہمارے مکان کو شرف بخشا ہے مین قاضی سعد الدین صاحب کا برادر زادہ ہون، اور اپنے خاندان مین، مین ایک فرد ہون، جو جامع شرق و غرب ہوا ہون نے پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل و منشی فاضل ایم اے عربی، اور ایم اے فارسی کے علاوہ بی اے مع انگریزی ارز و علوم ریاضی پاس کیا ہے، یہان کے سکالسری کالج مین پروفیسر عربی و فارسی ہون، گو آج کل سیاسی عتاب کی وجہ سے معطل کیا گیا ہون،

فتویٰ دہی و قضاگری ہمارے خاندان مین احمد شاہ دُرانی کے وقت سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہے، اگرچہ سوداگری کا پیشہ چھوڑ کر درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا پیشہ اس سے بہت مدت پہلے اختیار کیا گیا تھا یعنی اس خاندان کے جدِ اعلیٰ خواجہ بہاء الدین خوارزمی فاروقی اکبر بادشاہ کے ندما

مین سے تھے، اور عالمگیر اورنگزیب رحمہ کے وقت تک یہ خاندان تجارت پیشہ تھا، جب کہ مولوی خیر الدین ابو الخیر نے آبائی پیشہ چھوڑ دیا، اور علم و عرفان کی طرف مائل ہو کر سرچشمۂ شریعت و طریقت ہوئے، فتاویٰ کی مشہور کتاب عالمگیری مرتب کرنے والون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے، وہ آستانہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی مین مدفون ہین، اُن کے فرزند مولانا معز الدین امان اللہ شہید نے پدر بزرگوار سے بھی زیادہ عزت و شہرت حاصل کی، اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے، چنانچہ شیخ الاسلام سے ہی تاریخ وفات کا حساب لگایا جاتا ہے، نادر شاہ و محمد شاہ کی جنگ مین شہید ہوئے، مفتی صدر الدین خان آزردہ صدر الصدور دہلی ان کے برادر زادہ تھے،

اس تمام بکواس سے میری مراد یہ ہے کہ عربی و فارسی کے ساتھ ہمین موروثی میلان و رجحان آیا، انہی کی درس و تدریس اور ان کے ساتھ شغل و شغف ہمارا پیشہ اور ذریعۂ معیشت رہا ہے، مین نے اپنے بزرگون کی تقلید کی کوشش کی، اور اپنے والد ماجد قاضی ضیاء الدین صدر مفتی و دیگر اعمام اولی الاحترام قاضی سعد الدین صاحب، قاضی شریف الدین صاحب و مفتی امان اللہ صاحب سے مستفید ہونے کی کوشش مین کوئی کمی نہین کی، لیکن مین یہ نہین کہہ سکتا ہون، کہ پوری طرح کامیاب ہوا، اس لئے مین مجبور ہون کہ مین یہ کہون کہ وذاک ابی اور ھاانا کے لئے کسی طرح بھی لائق نہین ہون،

الغرض مین نے اپنے متعلق بہت کچھ عرض کر دیا، قاضی سعد الدین و مفتی امان اللہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے، علامہ شبلی کے ساتھ دوستی و برادری قائم کر چکے تھے، میرا خیال کیا بلکہ مجھ کو عقیدہ ہے کہ علامہ مرحوم کے ذریعہ کم از کم اگر کسی ذریعہ سے نہین، آپ کے ساتھ بھی رشتہ مواخاۃ قائم کر چکے ہین، اسی عقیدہ کے تحت مین نے جناب کو عم سے خطاب کیا، امید ہے کہ میرا یہ خیال و عقیدہ صحیح ہوگا، ورنہ جناب سے استدعا ہے کہ کم از کم مجھے اب اپنے اس تعارف کے بعد برادر زادہ یا پسر خود کے خطاب سے، بلکہ وہی خیال میرے متعلق ہمیشہ کے لئے رکھین، امید ہے کہ میری استدعا منظور ہوگی،

عرض کر چکا ہون کہ عربی فارسی زبانون کے ساتھ میرا تعلق ہے، اس لئے مین اس ادب کے احیاء مین مصروف رہتا ہون، جو یہان کشمیر مین ان دو زبانون مین تصنیف کیا گیا ہے، اور جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے شائع نہین ہوا ہے، اور منظر عام پر نہین لایا گیا ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ یہ لٹریچر اس قابل ہے اور اس درجہ کا ہے، کہ ادبی دنیا مین ایک امتیازی پوزیشن حاصل کر سکتا ہے، ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو، اس لئے مین چاہتا ہون، کہ جناب کو تکلیف دون، اور اقساط مین نمونے بھیج کر جناب کی رائے عالیہ کا استصواب کرون تاکہ اس رائے کے مطابق یہ فیصلہ کیا جا سکے، کہ یہ خاص نمونہ اشاعت کے لائق ہے، یا نہین، کشمیر کی زمین کو روحانیت نے اپنے لئے بہت صالح پایا تھا، اس لئے روحانیت کو جس جس کے ساتھ تعلق ہے، مثلاً تصوف، عشق، سلوک، تفسیر و حدیث وغیرہ بہت مقبول ہوا، اس کے نتیجہ مین وہ زبانین مثلاً عربی، فارسی، جو ان مضامین کے لئے ذریعۂ اظہار تھین، وہ بھی مقبول ہوئین، لازمی طور پر ان زبانون کے مقبول ہونے کے یہ معنی ہین کہ ان کا لٹریچر بہت مقبول ہوا، کشمیر ہر لحاظ سے زرخیز ہے، میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ علم و ادب کے بیج کے لئے بھی بہت زرخیز ہے، اس لئے کہ یہان کے لوگ بقول ڈاکٹر اقبال رحمہ زیرک و دراک ہین، انھون نے اپنے آپ کو طبعی طور پر فارسی عربی کے علوم کے لئے صالح پایا، کشمیری کی طبیعت نے فردوسی کے شاہنامہ کے مقابلہ مین اکبر نامہ، نظامی کے خمسہ کے مقابلہ مین خمسہ حضرت صرفی و خمسہ (پنج گنج) بہاء الدین متو پیش کیا، مولوی رومی کا مقابلہ بحر العرفان حضرت اکمل الدین کامل سے کیا گیا، اسی طرح ہر قسم کا لٹریچر تصنیف کیا گیا ہے، اکثر بہت قیمتی اور اعلیٰ پایہ کا ہے، لیکن بے اعتنائی و طاق نسیان پر پڑا ہوا ہے، اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کیڑے مکوڑے اور دیمک کی غذا بنا ہوا ہے، بلکہ فارسی عربی سے اب توجہ عام ہٹنے اور انگریزی زبان مروج ہونے کی وجہ سے اکثر خاندانون اور گھرانون کی ناخلف اولادان قلمی عدیم المثال کتابون اور واحد نسخون کو پانچ دس آنے کی عوض بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین، بنیا ایک ایک ورق پھاڑ کر تمباکو، چائے،

بلدی، کھانڈ، کی فروخت کے لئے استعمال کرتا ہے، مین نے اکثر دیکھا ہے کہ اس نااہل کا اس طرح اوراق پھاڑنا، میرے جگر کے پھاڑنے کا باعث ہوا ہے، مین نے ایسے مواقع پر اپنی گرہ سے پیسہ دیکر حتی الامکان اس کو ضائع ہونے سے بچایا ہے، لیکن تا کجے، سیلاب کو چمچ سے روکا نہین جا سکتا ہے، میرے پاس سرمایہ نہین کہ مین اس کو زیور طبع سے آراستہ کرون، عوام اکثر غربا پر مشتمل ہین، وہ کوئی مدد نہین کر سکتے ہین، بلکہ زمانہ کی تبدیلی مذاق کے تغیر انگریزی کی ترویج نے حالات اس قسم کے پیدا کئے ہین، کہ عربی اور فارسی جاننے والے کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس کو مولوی کے نام سے پکارا جاتا ہے، مولوی (کشمیری ملا) حقارت و نفرت مین استعمال ہوتا ہے، غرضیکہ سوسائٹی مین اس کی کوئی وقعت نہین، اس لئے سرمایہ دارون سے یہ توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ اس کی اشاعت و طباعت مین مدد کرین گے، بلکہ اپنی آبرو کو کھو دینا ہے،

مین سالہا سال سے معارف کا خریدار ہون، ایک ایک سال کی اشاعت کی جلد بندی کرا کر کتاب کی شکل مین موجود رکھتا ہون، معارف کی کسی گذشتہ اشاعت مین آپ نے شذرات مین ریسرچ کی امداد کا ہمت افزا اعلان کیا ہے، اس کے پڑھنے سے مجھے دفعتہً خیال آیا، کہ شاید معارف کے ذریعہ جناب کی عاطفانہ توجہ سے یہ ہمارا لٹریچر ضائع ہونے سے بچ جائے، اس لئے اس وقت سے لیکر ہمیشہ آپ کو اس بارہ مین لکھنے کا ارادہ کرتا رہا، لیکن اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے اس لئے جھجکتا رہا، کہ معارف کی زبان اردو ہونے کی وجہ سے اور انگریزی مین اظہار پر زیادہ قدرت اور مہارت حاصل ہونے کی وجہ سے دل مین ہول و بیم محسوس کرتا رہا، اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی خیال آتا رہا، کہ حیدرآباد کے اسلامک کلچر کی طرف رجوع کرون لیکن اس خیال نے باز رکھا کہ وہان اس رسالہ کے بورڈ آف ایڈیٹران مین کسی طرح بھی کوئی ایسا . . . . موجود نہین جو میری تحریر کی اصلاح کر سکے اور اپنے علم کی کسوٹی پر میرا بھیجا ہوا مضمون پرکھے اور یہ دیکھے کہ آیا

وہ لٹریچر جو مین شائع کر کے وجود مین لانا چاہتا ہون اس قابل ہے کہ شائع کیا جائے ممکن ہو کہ میرا خیال غلط ہو اور بورڈ آف ایڈیٹرز مین لائق اور قابل ممبر موجود ہون، مجھے کم از کم علم نہین اور مین ان کو نہین جانتا ہون، اس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ جو شہرت جناب کو علمی دنیا مین اس وقت حاصل ہے، وہ کسی اور ہندوستانی کو نصیب نہین، اس لئے کشمیریون کا مہیا کردہ لٹریچر عربی و فارسی آپ کی تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جانا چاہئے،

نمونہ شرح قصیدہ بردہ مصنفہ حضرت عبداللہ بوصیری رحمۃ اللہ،

شارح:- حضرت میرزا اکمل الدین کامل بیگ خان بدخشی یکے از اولیائے کشمیر، مدفون محلہ حول سری نگر کشمیر،

أمن تذكر جيران بذي سلم
مزجت دمعا جرى من مقلة بدم

أم هبت الريح من تلقاء كاظمة
وأومض البرق في الظلماء من إضم

ہان تذکر یاد کردن وان جیران جمع جا
جار ہمسایہ بود کو مشتق آمد از جوار

ذی سلم وان نام جائے و مزج دان آمیختن
دمع اشک مقلہ پلک چشم و دم خون یقین

پس ہبوب آمد وزیدن ریح باد ای ہم نشین
ہست تلقا سوی و جانب کاظمہ جائے است دین

پس درخشیدن شد ایماض او مض ماضی آن
ہست ظلما تیرہ شب باشد اضم کوہ کلان

راست بشنو ہم اضم ہم ذی سلم ہم کاظمہ
نام جائے و مسکن جانان آمدین ہمہ

حاصل این باشد کہ آیا یاد یاران کشان
ساکن اندر ذی سلم ہستند بے تنگ و گمان

ریختی خونابہ یا از کاظمہ باد ی وزید
یا درخشید از اضم برقی کہ اشکت شد پدید لف و نشر

در وزید از کاظمہ بادی کز ان یاد آمدت
یا درخشید از اضم برقی کہ دل باز آمدت

ناظم عارف باین ابیات عاشق را خطاب
می نماید گرچہ ریزی اشک خونین بے حساب

ہست پیدا و ہویدا کز پی عشق این کنی
لیک می خواہم کز انواع عشق یکے تعیین کنی

این زیاد صحبت ہمسایگان ذی سلم
می کنی با خود زیاد کاظمہ یا از اضم

شیخ را مقصود از عاشق ہمین نفس خود است
غائبش دانستہ بادی در تکلم آمدہ است

اہلِ معنی غائب از خویش اند باحق حاضر ند
از ہمہ عالم نظر پوشیدہ در حق ناظر ند

فما لعينيك ان قلت اكففا همتا
وما لقلبك ان قلت استفق يهم

ہست فا فاے جزائی گوش کن تقریر را
ہست شرط آن مقدر فہم کن تقدیر را

نام این فا فاضلان فای فصیحہ گفتہ اند
معنی شرط و جزا اکنون شنو ای ہوشمند

گر نبودست اینچنین دگر چہ ہست این پس جواب
اشک ریزی دائما کار ست چشمان ترا

مادر آغاز دو مصرع بہر استفہام دان
کف چہ باشد باز ماند ہمت گردیدن آن

استغاثہ ہوشیاری دان ہیمان حیرت است
حاصل معنی زمن بشنو ترا گر رغبت است

چیست چشمت را کہ از منع تو گریان تر شود
چیست حال دل کہ از بند تو حیران تر شود

أيحسب الصب ان الحب منكتم
ما بين منسجم منه ومضطرم

صب بفتح مہملہ عاشق کہ باشد اشک بار
منکتم پوشیدہ دان و لفظ ما زاید شمار

منسجم دان اشک ریزندہ غرض چشم است آن
مضطرم آتش فروزندہ دلست آن بیگمان

کے برد عاشق گمان کہ عشق او ماند نہان
درمیان چشم گریان و دل سوزندہ آن

لولا الهوى لم ترق دمعا على طلل
ولا ارقت لذكر البان والعلم

شد ہوا عمر و محبت شد اراقت ریختن
پس طلل باشد نشانِ خانہ و کاخ کہن

پس ارق بے خوابی است بان درختی ہست راست
قد خوبان را بان تشبیہ کردن خوش بجاست

پس علم آن چوب مشہور است کہ اہل فوج را
پیش پیش خویش می دارند در خیل و سپاہ

قد خوبان را بدان ہم می توان تشبیہ داد
ہم علم مر کوہ را گویند اصحاب سداد

کوہ را ہم می توان انجا نمودن قصد چون
جاے جانان ست کو اندر عرب ای ذو فنون

گر نبودی مر چنین تیر تجلی تو اشک گو
بر نشانہاے سراے دلبران ماہرو

ور نبودی عشق چون بے خواب می شد دیدہ ات
چون شود بان و علم مذکور اے نیکو صفت

یہ ہے حضرت میرزا کے شرح قصیدہ بردہ کا نمونہ، میرزا صاحب کا ایک قصیدہ فارسی زبان میں مخبر الاسرار کے نام سے موسوم ہے، دو سو بہتر ابیات پر مشتمل ہے، غیر مطبوعہ تاریخ حسن میں مرقوم ہے کہ "الحق قصیدہ ایست در حقائق و معارف بے نظیر و از فصاحت و بلاغت دلپذیر، قطب زمان میر سید محترم لاہوری، قریب بیست ہزار بیت آنرا شرح کردہ است"

اس میں سے نمونہ یہ ہے:۔

شکر للہ چہ خوش است دولت مادر زادم
تا برین منزل ویرانہ چنین آبادم

چون بدیدم دو جہان را کہ سواد الوجہ اند
چشم پوشیدم و بر ہر دو نظر بکشادم

خویش و بیگانہ ملامتگر[1] من دلشاد
ہیچ در گوش نمی آمد[2] - از آن جز بادم

فکر از ذکر تولد[3] شد و بر اصل رسید
رستم از باطل و حق راہ بحق بکشادم

سر بہ زانوے خرد ماندم و رفتم در فکر[4]
دل معلم شد و تعلیم تصوف دادم

تلخ شیرین شد و غم شادی و سواس برفت
مرکبم رایض و من چابک درہ آبادم

انس حق و ختم از غیر بجان و دل داد
گرد از ظلمت و کثرت زجہان آزادم

فتح کارم شد و امراض بصحت پیوست
ذائقہ نیز بحال آمد و لذت دادم

شد تمیزم کہ چہ تلخ است و چہ شیرین غذا
چیست نافع بدنم وانچہ مضر افتادم

روح می گفت کہ بال و پرم از گل رست
می روم من بجہانے کہ از آنجا زادم

عقل می گفت کزین بیش مرا طاقت نیست
عشق می گفت منت راہبر و استادم

---

[1] زلامتگر، [2] نمی آید از ان فریادم، [3] فکر از دل متولد، [4] از فکرت خود۔

از سماوات بیک چشم زدن بگذشتم برق در سرعت رفتار بگفت استادم

غیر ازین ارض و سما ارض و سماہاے دگر دیدم آنسو چو ازین حال گذرا فتادم

رستن از ہستی خویش است بدل سیر نما نیستی راہ بمعراج حقیقت دادم

صوفی از خویش چو فانی شود آن معراج است نیست شو تا تو ببینی کہ چہ شد رودادم

ساٹھ ہزار ابیات کی ایک مثنوی بتبعیت حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ لکھی ہے، نمونہ یہ ہے:

باہزاران ہزار دستانم محفل آرائے دوست دارانم

ہر صوفی است این ہمہ سازم صوفی گو کہ خوب بنوازم

از مریدان شیخ عطارم استعانت ز مولوی دارم

سلسلہ گیسل و خدا می جو تا نماید راہت از ہر سو

سلسلہ تازہ رہ نبر داری پاے رفتار از کجا آری

فانی باید از ہمہ آزاد بے مراد و مراد او ارشاد

فارغ از قید دام چون و چرا غل و زنجیر از سواد و وا

گر نہ زنگون حال داری تو ہمہ بدعوی چہ می برآری تو

قادری تا دری شود آنگاہ خود شود لا و ماند الا اللہ

کبروی بودنت ندارد سود تا نہ گردد خدا ز تو خوشنود

روز و شب در طریق ایشان کوش تا کنی جام بحر عرفان نوش

ہی زنی لاف سہروردی تو آنچہ کردند چون نکردی تو

نقشبندی ز قید ہستی رست نقش اللہ بر دل خود بست

نقش حق [illegible] بدل نہ بستی تو نقشبندی مگو کہ ہستی تو

چشتیان چشت ترک خود کردن ذکر اللہ برگِ خود کردن

آن عزیزان کہ حق پرستانند ہیچ بہ غیر ازین نہ پسندارند

دمبدم در فناے خود کوشند جام عرفان حق ہمی نوشند

چہ زنی لاف حرف درویشان ترک دنیا نمی کنی چون شان

از کرامات شان چہ می گوئی در رہ و رسم شان نمی پوئی

شرم از درج پاک ایشان دار ہمچو ایشان بکن درین رہ کار

غزل کا نمونہ بھی لیجئے:

ہستی من ز من بدر کرد و کرد؟ یار کرد محو خودم بیک نظر کرد و کرد؟ یار کرد

بودہ ام اصل جان جان منبع فیض کن مکان باز مرا در بدر کرد، کہ کرد؟ یار کرد

ہست بعاجب نظر از ہمہ دوست جلوہ گر یک ز دگر خوبتر کرد، کہ کرد؟ یار کرد

اکمل ازین غزل کہ گفت کرد عیان ہمہ نہفت ہمہ بروے ازین جہان خبر کرد کہ کرد؟ یار کرد

چشم دغا باز را سرمہ چرا کردۂ چشم بلا سر مہ بلا، این چہ بلا کردۂ

ابروے تو چون کمان تیر مژہ در نہان بہر شکار عاشقان حرب بپا کردۂ

دست تو سرخ از حنا قد و لباس خوشنما اے براے قتل ما حرب بپا کردۂ

خندۂ تو خوش نما غمزہ تو جانفزا جان و دلم ترا فدا طرفہ ادا کردۂ

نہ جام عشق آن دلدار مستم بحمد اللہ عجب ہوشیار ہستم

شہید خنجر مژگان یارم میان کشتگان بسیار ہستم

ز تار زلف تو سازادۂ خویش چو صنعا ہین کہ در زنار بستم

ز ذوق آن مئہ شیرین دوران برنگ کوہکن در کار ہستم

بنغمہاے اوان نیست مسلم | چو اکمل از پے دیدار ستم
یار ما بہر محفل آرائی | خود تماشا و خود تماشائی
بلکہ نظارہ گی تماشا را | اوست در عالم تماشائی
کرد آئینہ خانہ برپا | اندرو عکسہا برعنائی
جلوہ ہاے عجیب بنماید | کس ندارد سر شکیبائی
نفی کن نفی را تو ہر ساعت | تا ز کثرت بوحدت آسائی
ہرچہ بینی بگو ہمہ ہست او | تا بگویم ترا کہ بینائی
روے او کرد دعوے اسلام | موے او کرد کفر آرائی
نور و ظلمت ازان ظہور نمود | اندرین رہ چو دیدہ بکشائی
نیست ہیچ از احاطہ اش بیرون | چشم از ماسوی بیالائی
خود بیازار محفل آراست او | خود بہر کس رفیقِ تنہائی
کفر و اسلام بجنگ انداخت | خود مرآن جنگ را تماشائی
خود شود مدعی کہ دین اینست | خود دہد کفر را توانائی
خود بآدم ز گندم ناہی | خود کند رد ز نیش بدانائی

تا محمد ازان شود پیدا
نور حسنش بعالم آرائی

استفسار و جواب

ڈاکٹر اقبال اور روح و جسم کا اتحاد

جناب محمد اسلم صاحب سلیم
مقام کوڑوہی سون ضلع سکیسر (پنجاب)

"معارف ماہ مئی ۴۶ء میں مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا مضمون "اقبال کا فلسفۂ خودی" کے عنوان سے پڑھا، مولانا موصوف اثبات خودی کے پانچویں مقدمہ میں بیان فرماتے ہیں، کہ "اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے اتحاد کی جانب تھا" اگرچہ بعض موقعوں پر اس کے خلاف بھی راے ظاہر کی ہے، مگر جہان تک مجھے پتہ چلتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مرحوم کا اصلی میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، کیونکہ ایک جگہ فرماتے ہیں، ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا | ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اسی شعر کے ذریعہ مرحوم نے انسان کے مابعد الموت کا حال بیان فرمایا ہے، اور انسان کو ایک لازوال چیز بتایا ہے، گو صاف صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، اور مثنوی گلشن جدید کا وہ شعر جس کو مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل بیان کرتے ہیں:-

تن و جان را دو تا گفتن حرام است
تن و جان را دو تا گفتن کلام است

اس کو متقدمین کے خیال کا دہرانا تصور کرنا چاہئے نہ کہ اقبال مرحوم کے اصل خیال کا مرقع
حضرت محترم جناب قبلہ مرشد تھانوی کا مسلک بھی یہی ہے، کہ روح وجسم مین تغایر ہے"
تسکین کا مذہب صحیح نہین ہے، اس لئے گذارش ہے کہ اگر تغایر نہین ہے جیسا کہ مولانا
عبد السلام صاحب تحریر فرماتے ہین، بلکہ اتحاد ہے تو اس کو دلائل سے
ثابت فرمایا جائے، اور ہماری دلیل کا صحیح محمل بیان فرمایا جائے تاکہ تشفی ہوجائے،

معارف :- جس مضمون کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس مین یہ بحث نہین کی گئی ہے، کہ روح وجسم کے اتحاد و مغایرت کے دونون نظریون مین کونسا نظریہ صحیح ہے، یہ ایک مستقل بحث ہے، اور جب تک اس پر ایک مدلل و مطول مضمون نہ لکھا جائے، اس کا کوئی قطعی فیصلہ نہین ہوسکتا، جہان تک ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کا تعلق ہے، خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو ہمارے لئے صرف یہ دکھانا کافی تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا اصلی میلان یہی ہے، کہ وہ روح وجسم کو متحد سمجھتے ہین، اور ہم نے اس کو مثنوی گلشن جدید کے ایک شعر سے ثابت کیا تھا، اور اس کی زیادہ تفصیل نہین کی تھی، کیونکہ ہم شاعری کے حدود سے باہر جانا نہین چاہتے تھے، ورنہ بہت تفصیل کے ساتھ اُن کے اس میلان کو ثابت کیا جاسکتا تھا، مثلاً پروفیسر خواجہ عبدالحمید نے اقبال کے علمی جواہر ریزے کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے، اور وہ آثار اقبال مین چھپ گیا ہے، اس مین وہ لکھتے ہین کہ ڈاکٹر صاحب اپنے فلسفیانہ مضامین مین اس نظریہ پر بہت زور دیا ہے کہ روح اور جسم کی تقسیم قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے، اور یہ پرانے مذاہب اور فلسفہ کی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے، قرآن کے مطابق انسان ایک فرد ہے جس مین روحانی اور جسمانی خاصیتین موجود ہین لیکن روح اور جسم دو الگ الگ چیزین موجود نہین جن سے وہ بنا ہو، روح وجسم کی یہی غلط تقسیم جس کی وجہ سے بیسیون ناقابل حل مسئلے فلسفہ و مذہب مین پیدا ہو چکے ہین، اسلام انسان کو ایک زندہ شخصیت تصور کرتا ہے، اور یہ تصور قرآن مین نہ صرف اسی ارضی زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے،

بلکہ حشر اور حیات بعد الموت کے لئے بھی قائم رہتا ہے، چنانچہ حیات بعد الموت مین انسان کے لئے جو جزا اور سزا مقرر ہے، جس کا ذکر قرآن مین بار بار آتا ہے، وہ روحانی بھی ہے، اور جسمانی بھی، اسلام کے مطابق روح جسم سے علٰحدہ کوئی شے نہین" (آثار اقبال ص ۱۰۲، ۱۰۳)

اب اس سے زیادہ ثبوت ڈاکٹر صاحب کے میلان کا اور کیا ہوسکتا ہے، لیکن چونکہ مین شاعری کے حدود سے باہر جانا نہین چاہتا تھا، اس لئے مین نے اس عبارت کو نقل کیا، آپ فرماتے ہین، کہ مثنوی گلشن جدید کے شعر کو متقدمین کے خیال کا دہرانا تصور کرنا چاہئے، لیکن میرے خیال مین انھون نے اس نظریے کے خلاف جو رائے ظاہر کی ہے، وہی متقدمین کے خیال کا دہرانا ہے، یا یہ کہ اس وقت تک انھون نے اس کے مخالف نظریہ پر کافی غور و فکر نہین کیا تھا، لیکن بااین ہمہ اس عبارت سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا اصلی اور آخری میلان اسی طرف تھا کہ روح وجسم مین اتحاد ہے، یہ ثابت نہین ہوتا کہ ان کا یہ نظریہ بالکل صحیح ہے، اور اس مین بحث و مباحثہ کی گنجائش نہین،

"ع"

خزانۃ المفتین

جناب میر منشی محمد اسمٰعیل صاحب
محکمۂ فوج پونا

کودہ پور مین ایک صاحب کے پاس خزینۃ المفتین ایک عربی قلمی کتاب ہے، جس کا حجم تخمیناً ایک ہزار صفحات ہوگا، یہ کتاب ۹۷۰ھ کی لکھی ہوئی (بزبان عربی) ہے، مین جناب والا سے دریافت کرنا چاہتا ہون کہ آیا یہ کتاب طبع شدہ ہے یا نہین، کتاب کے ہر ایک صفحہ پر سنہری حاشیے بھی ہین اگر یہ کتاب طبع شدہ نہین، تو اس کی طباعت کے لئے جناب کیا بندوبست کرسکتے ہین،

معارف :- اس کتاب کا نام خزانۃ المفتین ہے، مصنف کا نام شیخ حسین ابن محمد سمیقانی ہے، حکیم الدین محمد بن علی فارسی کی فرمائش سے تصنیف پائی، زمانۂ تصنیف ۷۴۰ھ ہے یہ کتاب طبع نہین ہوئی ہے، اور نہ بظاہر اس کے طبع ہونے کی سردست کوئی سبیل ہوسکتی ہے، والسلام

ادبیات

نیرنگِ بہار

از جناب انور کرمانی

مہک رہی ہین فضائین حسین ہین کوہ و دمن
عبیرِ خاک کے اسرار ہین بہارِ چمن

ہے آب آب نمایش سے رنگِ عصمتِ گل
کلی کلی کا یہان شبنمی ہے پیراہن

بصیرتِ دل و جان ہو متاعِ سود و گداز
کہ داغِ لالہ سے ہو چشمِ گلستان روشن

سلگ رہے ہین نشیمن ہوا کی لرزش سے
بہارِ آتشِ گل سے ہے شعلہ در دامن

چمن ہو وشت ہو فصلِ بہار ہو کہ خزان
حقیقت ایک ہر اک شے مین ہے ضیا افگن

ضیائے جلوہ سے ہے اس طرح نظر معمور
کہ دستِ گل مین ہو جیسے بہار کا دامن

ٹھہر سکا نہ حجاباتِ رنگ و بو مین جنون
قلندرون کا ازل سے یہی رہا ہے چلن

متاعِ فقر ہے بے خویشی و خود آگاہی
نہ آب و گل کی پرستش نہ بندگیٔ وطن

ہنوز سینۂ غنچہ مین نکہتِ گل ہے
ہنوز تو لبِ جوے خودی ہے تشنہ دہن

ہنوز ضعفِ یقین سے ہے آدمِ خاکی
فریب خوردۂ نیرنگِ سومناتِ کہن

جو بے بصر ہے مقاماتِ حال کیا جانے
دلِ فسردہ و مردہ نہین حریفِ سخن

شعلے

از جناب شفق جوالاپوری

وہ بھی نہ سمجھے ہم بھی نہ جانے
عشق مین گذرے وہ بھی زمانے

اُس کے کوچے مین جانے کے
ڈھونڈھ نکالے دل نے بہانے

جلوے ترے معراجِ نظر ہین
عرش پہ ہین اب اپنے ٹھکانے

چھلنی چھلنی قلب و جگر ہین
اُف رے! تری نظرون کے نشانے

پتی پتی، بوٹا — بوٹا
سب کی زبان پہ میرے فسانے

بلبل قمری، کوئل بھونرا
ہر اک ساز پہ میرے ترانے

قطرہ قطرہ، موج بداماں
ذرہ ذرہ آئینہ خانے

آئینہ دارِ رنگِ تبسم
غنچہ و گل ہین کس کے نہ جانے؟

کوئی پوچھے تو واعظ سے
آپ کسے آئے سمجھانے

تیل نہ بتی — جلے ہین لیکن ق
طور پہ حضرت دیا جلانے

عشق کے ہاتھون ہم پہ جو گذری
جس پہ نہ گذری وہ کیا جانے

دیکھئے اک دن روٹھ کے ہم بھی
کون آتا ہے ہمین منانے

اپنی عزت آپ ہے ناصح!
دیوانے ہین پھر دیوانے

لمحۂ فرصت، سمجھو غنیمت
کل کیا ہوگا؟ کون یہ جانے

خواب گران ہے، مدہوشی ہے
کون شفق کو آئے جگانے

بادۂ عرفان

حضرت عرفان اسلام پوری

اسے کیا دیکھیں، اس میں ہر دھر کیا ۔۔۔ تماشا ہے جہانِ بے بقا کیا

اسیر زلف پُر خم ہو گیا یہ ۔۔۔ کہیں ہم تم سے دل کا ماجرا کیا

سراسر اپنی یہ ہستی ہے بے بود ۔۔۔ بقا کی کیا خوشی۔ رنج فنا کیا!

سرور افزا ہے کیسی نکہتِ گُل ۔۔۔ ہوائے باغ ہے فرحت فزا کیا

اگر ہوتا یہاں وہ رشک گل بھی ۔۔۔ بر آتیں آرزوئیں دل کی کیا کیا

جمالِ یار پر ہونا ہی تھا محو ۔۔۔ دلِ عرفان کی اس میں ہی خطا کیا

شاعر سے خطاب

از جناب طالوت

نوائے دل کو سوز دے دل و جگر فگار کر ۔۔۔ دکھا کے داغ سینہ کے جہان کو لالہ زار کر

فروغ گل ہے بے ثبات جام مل ہے بے فروغ ۔۔۔ انھیں کے پیچھے شاعری کو یوں نہ بے وقار کر

جہانِ حسن و رنگ و بو فقط فریب چشم ہے ۔۔۔ نظر کے اس فریب کو فریب ہی شمار کر

چمن چمن میں یوں نہ گھوم عہدِ عشق یاد رکھ ۔۔۔ جبین تیغ تیز چوم عہد استوار کر

نشانِ منزلِ طلب یہاں سے دور کچھ نہ ہو ۔۔۔ فلاحِ قوم کے لئے وہ راہ اختیار کر

خدا نے دی ہے جب زبان تو دل کی بات کر بیان ۔۔۔ فغانِ بے اثر کو یوں نہ روکش ہزار کر

کلام دلفریب سے عیار زندگی بڑھا ۔۔۔ نشانِ زندگی تبا دلوں کو بے قرار کر

خزاں چمن پہ چھا گئی تو کون آفت آ گئی ۔۔۔ خزاں کو رنگ انقلاب دے کے نوبہار کر

جمالِ عاشقی میں تو جلالِ زندگی نہ کھو ۔۔۔ کمالِ شاعری کو یوں نہ اب ذلیل و خوار کر

وفیات

حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی امیر شریعت بہار

پھلواری پٹنہ سے چند میل پچھم ایک مردم خیز قصبہ ہے، جو صدیوں سے اس صوبہ کا علمی اور مذہبی مرکز ہے یہاں خانقاہ مجیبی قائم ہے، جہاں ظاہر و باطن اور علم و عمل دونوں کے سرچشمے کرتے ہیں، اس خانقاہ کی خاص خصوصیت یہ ہے، کہ شروع سے اب تک اس کے سجادہ نشین علم شریعت و طریقت دونوں کے جامع رہے ہیں یعنی ہر صاحب سجادہ صوفی صافی ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہوتے آئے ہیں، دستار فضیلت اور خرقۂ مشیخت دونوں یہاں ایک جسم پر آراستہ رہے ہیں، اور اب دو پشتوں سے یہاں کے صاحب سجادہ صوبہ کے امیر شریعت بھی ہو رہے ہیں، شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کے ملفوظات میں اس خاندان کے معاصر شیخ کا تذکرہ مدح کے ساتھ آیا ہے، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے سفر بہار و بنگال میں اس خانقاہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا،

سجادہ نشین حال حضرت مولانا شاہ محی الدین رحمہ اللہ خلف حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالے نے چند سال کے اضمحلال طبع اور تسلسل علالت کے بعد ۲۹ رجادی الاولی ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ راپریل ۱۹۴۷ء کی صبح کو ستر سال کی عمر میں اس دار فانی کو الوداع کہا، اور زمانہ قدیم کی ایسی یادگار مٹ گئی جس کی زیارت سے بزرگوں کی بہت سی نشانیاں ایک ذات میں نظر آتی تھیں،

مجھ ہیچمدان کو مرحوم سے گوناگوں تعلقات حاصل تھے، میرے والد مرحوم نے اُن کے والد مرحوم

کے ساتھ ان کے نانا حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ، سے فیض ارادت اور تکمیل باطن حاصل کی تھی، میرے والد مرحوم کی پیدائش ۱۲۵۷ھ مین ہوئی تھی، اور اخذ و فیض و استفادہ جوانی مین شروع کیا جس کے معنی یہ ہین، کہ اس واقعہ پر اسی نوّے برس گذر چکے، میرے بڑے بھائی مرحوم کی تعلیم کی تکمیل اور دستار بندی شاہ محی الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ماموں مولانا شاہ عین الحق صاحب مرحوم کے ساتھ اسی خانقاہ پھلواری ہی مین ہوئی، میری عمر جب تیرہ چودہ برس کی تھی، غالبًا ۱۸۹۵ء مین والد مرحوم کے حسب الحکم بغرض تعلیم اسی خانقاہ مین طالب العلم رہا، اس وقت شاہ محی الدین صاحب کی آخری کتابین مولانا عبد الرحمان صاحب سے ہورہی تھین، یہ مولانا عبد الرحمان صاحب نانوگنج ضلع آرہ کے باشندہ اور مولانا عبد العزیز صاحب امروہوی کے شاگرد تھے، جو مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کے مشہور شاگرد اور ممتاز مدرس تھے، اس وقت میری عربی کی ابتدائی کتابین تھین، مجھے خانقاہ مین خاص حضرت شاہ صاحب مرحوم کے قریب قیام کی اور ایک ساتھ طعام کی اور زیر درس کتابون مین شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی، مجھے اس نسبت پر فخر اور انھین اس پر مسرت تھی، انہیں جب دیکھتا تھا، عہد اول یاد آجاتا تھا، اور ان کو بھی خوشی ہوتی تھی، افسوس کہ اس بزرگانہ تبسم کا منظر ہمیشہ کے لئے آنکھون سے پنہان ہوگیا،

مرحوم کی پیدائش کا سال ۱۲۹۰ھ ہے، ابتدائی کتابین اپنے والد بزرگوار امیر شریعت اول مولانا شاہ بدر الدین صاحب قدس سرہ سے پڑھین بقیہ درسیات مولانا عبد اللہ صاحب رامپوری سے حاصل کین، اور تحصیل فراغ جیسا کہ ابھی گذرا ۱۳۱۰ھ مین مولانا عبد الرحمان صاحب سے حاصل ہوئی، طب کی تعلیم بھی پھلواری ہی کے ایک قیام پذیر بزرگ مولوی حکیم وارث حسن صاحب سے حاصل کی، مگر عملاً کبھی مطب نہین کیا، سجادہ نشینی سے پہلے تک درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا، ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء مین اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد وہ سجادہ نشین اور صوبہ بہار کے امیر شریعت ثانی ہوئے اور

اوس وقت سے آخر وقت تک وہ ہدایت خلق اور اپنے منتسبین اور معتقدین کے تزکیہ و تصفیہ و تعلیم طریقت، اور اپنے نقطۂ نظر سے بہار کے مسلمانون کی قومی خدمت مین مصروف رہے، ۱۳۴۴ھ مین حج و زیارت کے لئے حجاز و عراق و شام کا سفر کیا، اور لوگون کو اپنے برکات سے مستفید اور ان ملکوں کے بعض بزرگون سے استفادہ کیا،

وہ عمدہ درجہ شریف، نیک، صلح پسند، متواضع، اور صورت اور سیرت اور لباس، ہر چیز مین نمونۂ سلف تھے، مذاق حال سے بھی آشنا تھے، تقریر و تحریر پر قدرت رکھتے تھے، متعدد مجالس مین شرکت فرمائی، قومی اجتماعات مین تقریرین کین، مساجد مین وعظ و پند سنائے، تحریک خلافت کے زمانہ سے سیاسیات مین بھی شرکت کی، خلافت کانفرنس منعقدہ آرہ اور جمعیۃ العلماے بہار کے اجلاس منعقدہ دربھنگہ کی صدارت کی، وقتاً فوقتاً انکے سیاسی خیالات اور امیر شریعت کی حیثیت سے ان کے فرامین بھی شائع ہوا کرتے تھے،

اب ان کی وفات سے مسلمانان بہار، ایک بڑی نعمت سے محروم ہوگئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانے والے کو اپنی نوازش بے پایان سے اور رہ جانے والون کو اپنی نصرت بے کران سے سرفراز فرمائے،

"س"

مطبوعات جدیدہ

مسلمان اور غیر مسلم حکومت از جناب پروفیسر محمد سرور صاحب حجم ۲۳۲ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- ۲؍ پتہ :- ادارۂ ادبیات نو، نمبر ۵ ٹمپل روڈ لاہور،

۱۹۲۱ء کی خلافت تحریک مین کراچی کے اس مشہور مقدمہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے جو مولانا محمد علی مرحوم اور ان کے رفقائے کرام پر فوج کو ورغلانے کے الزام مین چلایا گیا تھا، یہ عجب دور تھا، مسلمانانِ ہند مخلصانہ دینی کیف سے سرشار تھے، وہ ہر مسئلہ کو دینی نقطۂ نظر سے دیکھتے اور اسی ترازو پر تولتے تھے، مقدمہ کراچی کے استغاثہ کے جواب مین مولانا محمد علی اور ان کے رفقا نے جو پہلو اختیار کیا، وہ بھی اسی کیفیت کا آئینہ دار تھا، کہ فوج کے ہندوستانی مسلمانون کو ترکون پر گولی چلانی پڑیگی، وہ مسلم کے قتل عمد کے مجرم ہون گے، جس کی قرآن مجید مین صریح ممانعت آئی ہے، اس لئے ان لوگون تک اس قرآنی حکم کو پہنچانا ہر مسلمان کا فرض ہے، اور انھین ایسا کرنے کا حق ملکہ وکٹوریہ کے اس اعلان کے رو سے حاصل ہے جس مین ہندوستانیون کو ان کی مذہبی آزادی کا یقین دلایا گیا ہے، پھر اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اگر دنیاوی قانون کسی حکم الٰہی سے ٹکرائے، تو ہندوستان کے مسلمان دنیاوی قانون کو چھوڑ دینے مین حق بجانب ہین، ملکۂ وکٹوریہ کے اعلان کے بموجب لائق گرفت بھی نہین ہین، کراچی کے مقدمہ کی مسل اسی نقطۂ نظر سے مرتب ہوئی، اور مولانا محمد علی مرحوم نے اپنے جواب مین دینی وعلمی نقطۂ نظر سے اسی مسئلہ کو شرح و بسط سے پیش کیا تھا، یہ مسئلہ اپنی روح کے اعتبار سے آج بھی زندہ ہے، اور مصنف نے اس تصنیف مین اسی مسئلہ کو اٹھایا ہے، اور ایک فاضلانہ مقدمہ کے بعد مقدمۂ کراچی کی مفصل روداد مولانا

محمد علی مرحوم اور ان کے رفقا کے بیانات، جج کی جوابی تقریر اور فیصلہ کو درج کیا ہے، جج اور مولانا محمد علی مرحوم مین جو نوک جھونک رہی، اس حصہ کو بھی مکالمہ کی شکل مین پیش کیا گیا ہے، مولانا مرحوم کے بیان مین جہان سنجیدہ مسائل پر گفتگو ہے، اس کے پہلو بہ پہلو یہ مکالمے خاصے دلچسپ ہین، سشن جج نے جیوری کو مخاطب کرکے مولانا مرحوم کے بیان کا جو جواب دیا ہے، اس مین ضرورت تھی، کہ حاشیہ دیکر بعض مسائل کی تشریح کی جاتی، اور اسلامی مسائل وعقائد کو رنگ آمیزی سے جس طرح پیش کیا گیا ہے، اس کو نمایان کیا جاتا، اگرچہ ملزمین کے بیانات خود اپنی جگہ سیر حاصل ہین، اور ان سے مسئلہ روشنی مین آجاتا ہے، لائق مصنف نے مقدمہ کی روداد نقل کرکے "محاکمہ" "قومی تحریک کے تین رجحانات" "ردعمل" اور اس کے اسباب "مسلم ترقی پسند سیاست کی ناکامی" "ہندوستانی مسلمان اور غیر مسلم حکومت" وغیرہ عنوانون سے ۱۸۵۷ء سے دور حاضر تک کے ہندوستان کی اسلامی سیاست اور اس وقت تک کی مسلمانون کی ذہنی تحریکون اور کشمکشون کا جائزہ بڑی احتیاط، سنجیدگی، اصابت رائے سے لیا ہے، اور کمال غور و فکر کے ساتھ متین لب ولہجہ مین گفتگو کی ہے، اور مختلف دور کے ممتاز سیاسی رہنماؤن کے خیالات، عوام پر ان کے اثرات اور ان کے ذہنی رجحانات اور ان رجحانات کے اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا یہ حصہ خاص طور پر قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے، ہم مصنف کو اس دلچسپ اور مفید تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، امید ہے کہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا،

مسلمانون کا حصہ علمِ جغرافیہ کی ترقی مین Muslim contri-butions To Geography

از جناب نفیس احمد صاحب حجم ۱۸۰ صفحے، قیمت ۳؍ پتہ :- شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور،

اس تصنیف مین مسلمانون کی جغرافیائی ترقیون کا اختصار کے ساتھ خاکہ کھینچا گیا ہے، یون تو اردو

مین اس موضوع پر جامع مقالات اور مستند تصانیف شائع ہو چکے ہین لیکن انگریزی مین اس پر کسی اچھی کتاب کی ضرورت تھی' اس تصنیف سے یہ ضرورت پوری ہو گئی، مصنف نے اس مین علم جغرافیہ کے متعلق مسلمانون کی ابتدائی دلچسپیون، مسلمان سیاحون اور جغرافیہ نویسون کے خدمات' عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے مختلف جغرافیائی نظریون کو سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے، اگرچہ اختصار مدنظر رکھنے کی وجہ سے مباحث مین کہین کہین تشنگی باقی رہ گئی ہے، با این ہمہ یہ اپنے موضوع پر ایک مرتب اور اچھی تصنیف ہے،

شخصیت اور کردار، از جناب شیر محمد صاحب اختر، ناشر ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ، حیدرآباد، دکن، حجم ۱۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی، اچھی، قیمت :- ۱۲؍

اس کتاب مین انسانی شخصیت و انفرادیت اور اس کے مختلف اجزار کا جائزہ لے کر اپنی اثر انداز شخصیت کی تعمیر کرنے کے طریقے بتائے گئے ہین، اور انھین مثالون سے واضح کیا گیا ہے، کتاب دو حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین "شخصیت اور اس کے خصوصیات" پر نظر ڈالی گئی ہے، اور ایسے لوازم بتائے گئے ہین جن سے کوئی انسانی شخصیت کسی سوسائٹی مین اپنا وقار قائم کرکے محبوب بنائی جا سکتی ہے" بالغ نظری" "جدت پسندی" شخصیت کے منفی پہلو" "شخصیت" کی خامیان" "موقع شناسی" وغیرہ، اس حصہ کے ایسے عنوانات ہین، جن مین زندگی کے نشیب و فراز کو دکھایا گیا ہے، دوسرا حصہ "کردار" کے اجزار کی تفصیل پر مشتمل ہے، اس مین انسانی سیرت کی تعمیر کے لئے جن خصائل حمیدہ کی ضرورت ہوتی ہے، اُن کو پیش کیا گیا ہے' اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب کے طرز بیان اور زبان مین مزید شگفتگی کی ضرورت تھی، اور مسائل کو زیادہ پھیلانے کے بجائے سمیٹ کر لکھا جاتا تو مناسب ہوتا'

زندگی کے جائزے، از جناب ابوسعید صاحب بزمی، ام اے، ناشر مکتبۂ دانش، فرنگ لاہور، حجم ۲۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی، اچھی قیمت :- ۴؍

جناب ابوسعید صاحب بزمی تجربہ کار صحیفہ نگار ہین "زندگی کے جائزے" کے ذریعہ شاید وہ پہلی مرتبہ افسانہ نگار کے روپ مین سامنے آئے ہین، یہ ان کے چند افسانون کا مجموعہ ہے، ابتدا مین دو افسانون "عید کا تحفہ" اور "عید کی قربانی" مین تحریک اشتراکیت کے دور رس نتائج کا جائزہ کامیابی سے لیا گیا ہے، ایسے افسانے ہمارے تیز رو نوجوانون کے لئے مفید ہو سکتے ہین، کہ اشتراکیت کے اثرات صرف معاشی معاملات کے بجائے، انسانی نظام زندگی کے ہر شعبہ تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، ان افسانون کو پڑھ کر ہمارے نوجوان اشتراکی ایک لمحہ کے لئے غور و فکر کر سکتے ہین اسی طرح دوسرے افسانون مین معاشرت و معیشت کے مختلف پہلوؤن پر نظر ڈالی گئی ہے، امید ہے کہ یہ افسانے دلچسپی سے پڑھے جائین گے،

نئے خاکے، از جناب قدوس صہبائی، حجم ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲؍، پتہ :- مکتبہ ادب اردو بازار، جامع مسجد دہلی،

مصنف بقول مقدمہ نگار، "ترقی پسند" فن کارون کی صف مین اپنی انقلابی ذکاوت ترقی پسندانہ رجحان اور پسندیدہ ادبی؛ افسانوی حیثیت کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتے ہین" اس مجموعہ کی تحریرون مین جن مین افسانہ نما چھوٹے چھوٹے جذباتی مضامین ہین، مصنف کے یہی اوصاف نمایان ہین، یہ تحریرین گویا مختصر افسانون کا خاکہ ہین، اس لئے "نئے خاکے" اس مجموعہ کا مناسب نام تجویز پایا ہے، ترقی پسند تحریرون کا ذوق رکھنے والے نوجوان اس سے دلچسپی حاصل کر سکتے ہین،

حضرت ابوبکر صدیقرض از جناب مشیر الحق صاحب بجری آبادی حجم ۹۵ صفحے، قیمت :- ۱۰؍

حضرت عمر فاروقرض از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۸۰ صفحے قیمت :- ۱۰؍

حضرت سعد بن ابی وقاصرض از مولوی صلاح الدین احمد حجم ۳۶ صفحے، قیمت :- ۴؍

حضرت عبدالرحمن بن عوفرض از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۱۶ صفحے، قیمت :- ۲؍

امام غزالیؒ از مولوی عبدالحفیظ صاحب قدوائی ندوی حجم ۱۶ صفحے، قیمت: -۲ر

ناشر مکتبہ تعلیمات اسلام نمبر ۱۳۰ امین آباد پارک، لکھنؤ،

لکھنؤ کا ادارۂ تعلیمات اسلام عربی زبان کو نئے طریق سے پڑھانے کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اوس نے اپنے دائرہ کو ذرا وسیع کیا ہے، اور چھوٹے بچون اور کم استعداد عام اردو خوانون کیلئے اوس نے چھوٹی چھوٹی مفید دینی و تاریخی کتابین اور رسالے چھپی تقطیع پر شائع کرنا شروع کیا ہی، مذکورۂ بالا پانچ رسالے اس سلسلہ کی تازہ کڑیان ہین، یہ رسالے عام فہم، سادہ اور آسان زبان مین لکھے ہین، اور بچون کی ضرورت کے مطابق ان بزرگون کے ضروری سوانح حیات ان مین قلمبند ہوگئے ہین، بچون کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہوگا،

مولانا مدنی کا قیام سلہٹ، مرتبہ مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

پتہ:- جناب غلام ربانی صاحب نظام آباد، ضلع اعظم گڈھ،

مولانا حسین احمد صاحب مدنی خیر و برکت کے مہینہ رمضان کو ہر سال سلہٹ مین گذارتے ہین، ان کے عقیدتمند مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی نے مولانا موصوف کے قیام سلہٹ کے معمولات و مشاغل کو اس رسالہ مین قلمبند کیا ہے، اور مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی اور مولانا محمد میان صاحب نے اس پر تقریظین لکھی ہین، امید ہے کہ مولانا مدنی کے حلقۂ ارادت مین اس کو قبولیت حاصل ہوگی،

گاؤن سدھار، از جناب ماسٹر محمد شفیع الدین صاحب نیر، ناشر آزاد بک ڈپو، کوچہ چیلان دہلی حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

اس رسالہ مین گاؤن کی اصلاح کے لئے مختلف موضوعون پر نظمین لکھی گئی ہین، زبان سہل اور آسان ہے،

"س"

اور تاریخی کتابین

تاریخ اخلاق اسلام، جلد اول، اس مین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے،

مصنفہ: مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت: عہ

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین، ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابون مین مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانون کے تعلیمی نظام اوران کے مدرسون اور تعلیم گاہون کا حال معلوم کرنا چاہین تو نہین مل سکتا، مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف مین ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے،

ضخامت ۱۴۴ صفحے، قیمت: ۱۲ر

مختصر تاریخ ہند، مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ ہندو اور مسلمان فرمانرواؤن نے ہندوستان کے بنانے مین جو کام کئے ہین، اور جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہوجائین،

اس کتاب کو گورنمنٹ بہار نے اپنے سرکاری مدرسون مین بھی جاری کردیا ہے، اور حکومت یوپی نے اس کے ۵۰۰ نسخے سرکاری لائبریریون کے لئے خریدے ہین، ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہماری بادشاہی، ہمارے چھوٹون بچون کے نصاب مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو ان کو تیرہ سو برس کی تاریخ سے باخبر کرسکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین،

ضخامت: ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ

ہندوستان کی کہانی، ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، اور ان کو معلوم ہوجائے کہ وہ کون تھے اور اب کیا ہین، ضخامت ۶۰ صفحے، قیمت: عہ

مرتبہ: مولوی عبدالسلام قدوائی، ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس مین اسلامی فن انشاء اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشاء کی تفصیل ہے، اور پھر عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود عالمگیر کے خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

۳۹۰ صفحے، قیمت: للعہ

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، ان سے ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی ایم اے،

ضخامت: ۴۸۷ صفحے،

قیمت: ہے ر